M.Ja

جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

L7878

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

مئی ۱۹۹۳ء

ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ ۔ مئی ۱۹۹۳ء شمارہ : ۸

مدیر
سید محمود میاں
[illegible] و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک :

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ	۱۰۰ روپے
سعودی عرب۔ متحدہ عرب امارات	،،	۴۵ ریال
بھارت۔ بنگلہ دیش	،،	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	،،	۱۶ ڈالر
برطانیہ	،،	۱۴ ڈالر

رابطہ کے لیے
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور، کوڈ ۵۴۰۰۰
فون ۲۰۱۰۸۶-۲۰۵۳۸۸

اِس شمارے میں

ادار یہ ۳

سیرۃ مُبارکہ — حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ ۶

درسِ حدیث — حضرت اقدس مولانا سید حامد میاںؒ ۱۲

درسِ قرآن حکیم — حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّبؒ ۱۵

قربانی — حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّبؒ ۲۱

حُسنِ ادب — محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرّحمٰن اعظمی ۲۵

سُنّتِ نبوؐی کی بالا دستی — ڈاکٹر محمود الحسن عارف ۲۷

نظم — سیّد امین گیلانی ۳۳

حاصل مطالعہ — مولانا نعیم الدّین صاحب ۲۵

دارالافتاء — حضرت مولانا مفتی عبدالواحد ۴۶

تبصرۂ کُتب ۵۰

احکامِ عید الاضحیٰ ۵۳

* * *

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی۔

* * *

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپواکر

دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سید محمود میاں

گزشتہ دنوں کی بات ہے ابھی عید کی خوشیاں ماند نہیں پڑی تھیں بالخصوص ننھے منّے ذہنوں سے اُس کے نقوش مٹنے نہ پائے تھے چھوٹے چھوٹے بچّے پھوکے پھوکے مُنہ سے خوشیوں کا اظہار کرتے بچّیاں حنائی ہاتھ ہوا میں لہراتیں چوڑیاں کھنکھناتیں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جذبہ سے باہم اتنا قریب ہوجاتیں کہ مسابقت کا جذبہ خود بخود ماند پڑ جاتا اور یوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دائیں بائیں سے بے خبر کبھی سہیلیاں بنتیں اور کبھی کُٹی کرتیں۔ انہی خوشیوں میں مگن ننھی منّی معصوم میمونہ سعدیہ بھی تھی جو اپنے دائیں بائیں منڈلانے والے گِدھوں اور درندوں کی خونخوار نگاہوں سے بالکل ناآشنا تھی، وہ یہ بھی نہ جانتی تھی کہ گِدھ کیا ہوتا ہے اور درندہ کسے کہتے ہیں اس لیے کہ ابھی اس کی عمر پُورے تین برس بھی نہ ہو پائی تھی یہ میمونہ کون ہے؟ کس کا جگر پارہ ہے ؟ اِن اوراق کی تسوید کس مقصد کے لیے کی جارہی ہے! کیا کسی افسانہ کی ابتدا ہے یا نخچیر کی فریاد۔

ہُوا یُوں کہ جامعہ مدنیہ میں شعبہ حفظ کے اُستاد قاری ظہور احمد صاحب جو جامعہ کے قریب ہی "مسجد نور" میں امام اور خطیب بھی ہیں۔ عید کے بعد اپنے والدین سے ملنے بہاولپور گئے ابھی سفر طے بھی نہ کر پائے تھے کہ اسی شب بعد عشاء مؤرخہ ۶؍شوال ۱۴۱۳ھ ۲۹؍مارچ ۱۹۹۳ء اُن کی معصوم بچّی مسجد سے متصل گھر سے نکل کر کھیلتی کھیلتی مسجد میں آئی۔ تھوڑی دیر بعد مسجد سے نکل کر

گھر جانے لگی کہ ایک درندہ صفت شخص بچّی کو بہلا پھسلا کر مسجد کے غسل خانہ میں لے گیا جہاں اس نے بچّی سے درندگی کا مظاہرہ کیا اس کے شور مچانے پر اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا بچّی کا دم گھُٹا اور وہ دم توڑ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مختصر بھاگ دوڑ کے بعد ملزم پکڑ لیا گیا جس نے دورانِ تفتیش اعترافِ جُرم کر لیا یہ ایک نشے کا عادی آوارہ شخص تھا اس حادثہ کے فوراً بعد پُورے علاقے میں کہرام مچ گیا مشتعل لوگ سڑکوں پر نکل آئے، ٹائر جلائے گئے۔ دُکانیں بند ہو گئیں جس سے جو بن پڑا ہمدردی کی مگر مظلوم کے دل پر آنے والے زخم کے لیے کیا یہ مرہم کافی ہے؟ ہرگز نہیں اس کے لیے تو وہی مرہم کارگر ہو سکتا ہے جو اس کے خالقِ حقیقی نے اس کے لیے تجویز فرما رکھا ہے اور وہ ہے بُرائی کا بدلہ اسی جیسی بُرائی وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ایک اور جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں برابری ہے ______ مگر ہمارے ملک میں اللہ تعالیٰ کے عادلانہ نظام کے برخلاف انگریز کے ظالمانہ قوانین کو ہر دور کے حکمرانوں نے نہ صرف ایک مقدس صحیفہ کی حیثیّت دے رکھی ہے بلکہ اُس کو پُوری قوّت کے ساتھ قوم پر مسلّط کیا ہُوا ہے اور اس کے خلاف کسی بھی تحریک کو اپنے مذموم مفادات پر زد تصوّر کرتے ہُوئے اُس کا پُورا تحفّظ کرتے ہیں اور یوں بے خوف ہو کر اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں، البتّہ اپنی سیاسی دکانداری چمکانے کی خاطر بزعمِ خویش تعزیّت کے نام پر اتنی زحمت ضرور برداشت کرتے ہیں کہ سرکاری ہیلی کاپٹر پر سوار ہو کر یا گلی بازار میں چند قدم پیدل چل کر یا غریب کے پلنگ پر بیٹھ کر اور پروٹوکول کے لفٹ رائٹ سے مظلوم غریب پر یہ تاثر چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں کہ لو آج ہم نے تمہارا پُورا حق ادا کر دیا، اب کوئی شکوہ شکایت باقی نہیں رہا، جبکہ حکمران کی تعزیّت اس کے سِوا کچھ نہیں کہ وہ ظالم کو فوری طور پر اس کے ظُلم کی پُوری پُوری سزا دے کر مظلوم کا سینہ ٹھنڈا کرے، اس سے قبل تعزیت و تسلّی کا کلمہ اپنے حق میں استعمال کرنے کا اس کو کوئی حق حاصل نہیں۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے وہ ظالم ہیں ایک اور جگہ ارشاد ہے وہ فاسق ہیں ______ حکمرانوں کی اس قسم کی جعلی تعزیتوں

سے بہتری کے بجائے بہت بُرے اثرات مرتّب ہوتے ہیں، کیونکہ وزیرِ اعظم جیسی شخصیّت کی ذاتی دلچسپی کے باوجود انصاف کی عدمِ فراہمی یا اس میں غیر معمولی تاخیر نے (جس کی سب سے بڑی وجہ غیر اسلامی بوگس قوانین ہیں) مُجرمانہ ذہنیت کے حامل افراد کی مُجرمانہ سرگرمیوں میں پہلے سے کہیں زیادہ بیباکی اور جُرأت پیدا کردی ہے لہٰذا اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت فوری طور پر ایسے اقدامات کرے جس سے مُلک میں قتل وغارت اور بدامنی کی فضا ختم ہوکر امن وآشتی کی فضا پیدا ہو اور ایسا صرف اسلامی قوانین کے نفاذ کی صُورت ہیں ممکن ہے۔

انتقالِ پُر ملال

بانی جامعہ مدنیہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز کے چھوٹے بھائی جناب سیّد خالد میاں صاحب ۲۹ رمضان المبارک کی شب دہلی میں انتقال فرماگئے اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلیہ راجعون۔ مرحوم عرصہ ۲۵، ۳۰ برس سے جرمنی میں بطورِ کمپیوٹر انجنیئر خدمات انجام دے رہے تھے۔ وفات سے تین چار روز قبل ہندوستان آئے۔ ۲۹ رمضان ۱۴۱۳ھ ۲۴ مارچ ۱۹۹۳ء بروز بدھ اچانک دِل کا شدید دَورہ پڑا، فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا، جہاں تھوڑی دیر بعد ڈاکٹروں کی سر توڑ کوششوں کے باوجود خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ برس تھی۔ پسماندگان ہیں ایک بیٹا ہے۔ قارئین سے مرحوم کے لیے دُعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کی خصوصی درخواست ہے

(ادارہ)

تبلیغ کا آغاز

سب سے پہلے اپنا خاندان

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب حکم ہُوا "قُمْ فَاَنْذِرْ"[1] اُٹھو اور لوگوں کو آگاہ کرو (کہ اُن کے موجودہ عمل اور کردار کا مستقبل کیا ہوگا) تو آپ نے اِنذار اور تبلیغ کا سلسلہ اپنے خاندان سے شروع کیا۔ خدا کا حکم بھی یہی تھا۔[2]

آپ نے کھانے کا انتظام کیا اور ان رشتہ داروں کو دعوت دی جو آپ کے پڑدادا (دوسری پشت کے دادا) ہاشم کی اولاد تھے۔ ان میں وہ بھی تھا جس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اور ابولہب کی کنیّت سے مشہور تھا۔[3] یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے والد ماجد کا سب سے بڑا بھائی تھا۔ عمر، سرمایہ اور دولت کے لحاظ سے خاندان میں سب سے اُونچا تھا۔ عبدالعزیٰ سمیت تقریباً ۴۰ آدمی اس دعوت میں آئے۔ کھانا کھایا۔ پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کچھ فرمانا شروع کیا۔ ابھی آپ نے بات پُوری بھی نہیں کی تھی کہ عبدالعزیٰ نے پُکار کر کہا: لَهَدَّ مَا سَحَرَكُمْ صَاحِبُكُمْ[4] یہ جادُو بہت ہی عجیب ہے جو تمہارے دوست نے تم پر کیا ہے۔

جادُو کا نام سُن کر کون ٹھیر سکتا تھا۔ مجمع منتشر ہوگیا۔

ابُولہب کی یہ حرکت بہت ہی ہمّت شکن تھی، مگر اُس کے مقابلہ پر تھی جس کی ہمّت نے ٹوٹنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ نئے حوصلہ سے اُٹھا۔ کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ دعوت کی اور اس مرتبہ حلقہ وسیع

---

[1] سورۂ مدثر ۷۴ آیت ۲ [2] سورۂ شعراء ۲۶ آیت ۲۱۴ [3] لہب کے معنیٰ آگ کی لپیٹ کے ہیں کہتے ہیں کہ اس کا رنگ سفید سُرخ تھا چہرہ انگارے کی طرح دہکتا رہتا تھا۔ اسی لیے یہ کنیّت دی گئی گویا وہ آگ کے انگارے اور لپٹ کی تصویر ہے۔ [4] البدایہ والنہایہ ص ۳۹ ج ۳ و مجمع البحار لفظ هَدَّ

کر دیا۔ پہلے ہاشم کی اولاد کو دعوت دی تھی، اس مرتبہ ہاشم کے والد۔ عبد مناف کی اولاد کو دعوت دی۔ اور ابولہب کی پہلی حرکت کا ردِّ عمل یہ ہُوا کہ سب ہی آ گئے اور آخر تک جمے رہے۔ آپ نے بھی اپنی بات پُوری فرما دی۔ آپ نے فرمایا:

> مَیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں کہ عرب کے کسی جواں ہمّت نے یہ پیغام نہیں پہنچایا تھا یہ دُنیا اور آخرت کی کامیابی کا پیغام ہے۔ اُمّہ عرب اس پیغام سے دُنیا میں بھی سربُلند ہوگی اور آخرت کی کامیابیاں بھی اُس کو نصیب ہوں گی [1] یہ پیغام عمل کا پیغام ہے انسان کا عمل ہی اس کو کامیاب کر سکتا ہے۔ ایک کا عمل دوسرے کو کامیاب نہیں کر سکتا۔
>
> اے معشرِ قریش۔ اپنے آپ کو جس درجہ پر رکھنا چاہتے ہو تو اس کی قیمت خود ادا کرو۔ عذابِ الٰہی سے بچنا چاہتے ہو تو نجات کا سودا تم خود کرو۔
>
> اے آلِ عبد مناف خُدا کے مقابلہ پر مَیں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک تم خود عمل نہ کرو، مَیں تمہیں قانونِ قدرت کی گرفت سے نجات نہیں دِلا سکتا۔
>
> اے عبّاسؓ [2] بن عبدالمطلب۔ خُدا کے مقابلہ پہ مَیں تمہارے کام نہیں آسکتا۔
>
> اے رسُولِ خدا کی پھوپی "صفیہ" مَیں اللہ کی گرفت سے تمہیں نہیں بچا سکتا۔ اے رسُول کی بیٹی فاطمہ۔ میرے مال میں سے جو کچھ مانگنا چاہو، مانگو مَیں دُوں گا، مگر خُدا سے بے نیاز ہوکر مَیں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اللہ کے مقابلہ پر مَیں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ [3]

تقریر بے حد مؤثّر اور بلیغ تھی، سُننے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، مگر دِلوں کا پُرانا مرض آسانی سے نکلنے والا نہیں تھا۔ یہاں بھی۔ عبدالعزیٰ ابولہب نے اپنی عمر کی بڑائی اور رشتہ کی برتری سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔

عجیب بات یہ تھی کہ اس مجمع میں سب سے زیادہ سن رسیدہ ابولہب تھا اور سب سے چھوٹے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۳۹ و ص ۴۰ ج ۳ [2] عباس اگرچہ چچا تھے، مگر ہم عمر اور ہمجولی تھے۔ تقریباً دو سال بڑے تھے۔ [3] بخاری شریف ص ۷۰۲۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ جن کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ بیمار اور کمزور بھی تھے۔ پیٹ بڑھا ہوا، آنکھیں آئی ہوئیں۔ پنڈلیاں پتلی پتلی۔ کھڑا ہونا مشکل تھا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تقریر کے بعد مجمع کی طرف سے جواب کا انتظار کیا تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ (طفل بیمار) نے آپ کی تصدیق کی اور حمایت کا وعدہ کیا۔ آپ نے اُن کی حوصلہ افزائی کے الفاظ کہے۔ ابولہب کو موقع مل گیا۔ اُس نے طنز کرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ مجمع کا رُخ بدل گیا۔ پھر منتشر ہوگیا۔[1]

فاران[2] کی ایک پہاڑی سے صدائے حق

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

حبقوق نبی کی کتاب باب ۳ درس ۳ میں شہادت دی گئی تھی۔

اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے
فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان
چھپ گیا اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوئی۔[3]

اسی فاران کی ایک پہاڑی کا نام "صفا" ہے۔ اس پہاڑی کا وجود اَب بھی باقی ہے۔ کعبہ شریف سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔ اَب یہ پہاڑی شہر مکّہ کی سطح کے برابر ہوگئی ہے، مگر اس

---

[1] البدایہ والنہایہ ص۴۰ ج۳ [2] بائیبل میں مکّہ کو فاران کہا گیا ہے۔ کتاب پیدائش باب ۲۱ میں حضرت ہاجرہ کے بیٹے (اسمٰعیلؑ) کے متعلق کہا گیا ہے اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ (فقرہ ۲۱)

[3] رحمۃ للعالمین ص ۱۴۶ ج ۱ میرے پاس جو اُردو کی بائیبل ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اے خُدا تو برسوں کے درمیان اپنے نام کو نئے سرے سے رونق بخش۔ برسوں کے بیچ اسے شہرت دے قہر کے درمیان رحم کو یاد کر خُدا تیمان سے اور وہ جو مقدس ہے فاران سے آیا سلاہ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوگئی۔ (حبقوق نبی کی کتاب ص ۸۵۹)

زمانہ میں یہ بلند تھی۔ خانہ کعبہ کا حرم[1] (میدان) اس کے دامن میں تھا۔ عام طور پر قریش کی یہاں نشست رہتی تھی۔ محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پہاڑی پر چڑھے اور قبائل قریش کو نام بنام پکارا یا بنی فہر۔ یا بنی عدی وغیرہ وغیرہ۔

محمدؐ ۔ وہی محمدؐ جن کا اثر و احترام یہ تھا اور قریش کے عوام و خواص اس درجہ گرویدہ تھے کہ آپ کو "الصادق" اور "الامین" کہہ کر خوش ہوا کرتے تھے، انہیں الصادق اور الامین کی آواز کانوں میں پڑی تو لوگ پہاڑی کے دامن میں آ کر جمع ہو گئے اور جو نہیں آ سکتے تھے، انہوں نے اپنا کوئی آدمی بھیج دیا۔

سب پہنچ گئے تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اگر میں یہ بتاؤں کہ یہ وادی جو اس پہاڑ کی آڑ میں ہے یہاں دشمن کی فوج پہنچ گئی ہے اور وہ عنقریب تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا آپ صاحبان میری بات سچ مانیں گے۔

سب نے جواب دیا۔

بیشک آپ کے متعلق ہمارا تجربہ یہی ہے کہ آپ سچ ہی بولتے ہیں۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عذابِ خداوندی کا لشکر آنے والا ہے، اس سے پہلے کہ عذاب کا یہ لشکر آئے میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔

آپؐ نے اسی موضوع پر تقریر فرمائی۔ بہت ممکن تھا، لوگ اثر لیتے، مگر خاندانِ ہاشم کا وہی عمر رسیدہ عبدالعزیٰ (ابولہب) بھڑکتا ہوا اٹھا اور یہ کہتا ہوا چل دیا۔

"محمدؐ تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ کیا اس لیے ہمیں یہاں جمع کیا ہے۔"[3]

خاندان کا بڑا پورے خاندان کا سرپرست اور مربی مانا جاتا ہے اور قاعدہ عرب کے مطابق

---

[1] چہار دیواری اس زمانہ میں نہیں تھی۔ بیچ میں خانہ کعبہ تھا۔ اس کے چاروں طرف میدان تھا۔ میدان کے کنارے پر رؤساء مکہ اور خدامِ کعبہ کے مکانات تھے۔ میدان میں ان رؤساء کی نشستیں رہتی تھیں۔ [2] ماجربنا علیک الاصدقاً۔ بخاری شریف ص ۷۰۲ [3] بخاری شریف ص ۷۰۳

وہ وُلی یعنی جواب دہ اور ذمّہ دار بھی ہُوا کرتا تھا۔ چھوٹوں کے حق میں اس کی بات مانی جاتی تھی۔ ابولہب کو یہ ولایت اور سرپرستی حاصِل تھی، کیونکہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے والد ماجد کا بڑا بھائی تھا۔ اس کے علاوہ مکّہ کا با اثر دولت مند تھا۔ مجمع نے جب اتنے بڑے آدمی کو خفا ہوکر جاتے ہُوئے (واک آؤٹ کرتے ہُوئے) دیکھا تو مجمع بھی چل دیا، لیکن ذہنوں میں ایک سوال گھر کر چُکا تھا۔ (داعئ حق کی یہی کامیابی تھی۔)

اِتنا اشتعال (بُوکھلاہٹ) کیوں؟

①

کوہِ صفا سے جس نے پُکارا وہ وہی "محمّد" تھا جس کا نام لینا لوگ بے ادبی سمجھتے تھے جس کو "الصادق الامین" کہا کرتے تھے۔ جس سے دُعائیں کرایا کرتے تھے، برکتیں حاصل کیا کرتے تھے جس نے کچھ عرصہ پہلے اس خوفناک ہنگامہ کو نہایت خُوب صُورتی سے ختم کیا تھا جو تعمیرِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود کے سلسلہ میں سر اُٹھا چُکا تھا۔

کوہِ صفا کی مختصر تقریر میں جن خرابیوں کی طرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اشارہ کیا اُن کا احساس خود قریش کو بھی تھا۔ انہی کمزوریوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لیے چند سال پہلے وہ انجمن بنائی تھی اور وہ عہد نامہ طے کیا تھا جو حلف الفضول کے نام سے مشہور تھا۔

یہ "ابولہب" جو اس وقت سب سے پہلے مشتعل ہُوا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہی عمِ بزرگ ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت پر اتنا خوش ہُوا تھا کہ اپنی باندی ثوبیہ کو فوراً آزاد کر دیا۔ اسی ثوبیہ نے سب سے پہلے اس نونہال محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو دُودھ پلایا تھا۔

پھر یہ خفگی اتنی برافروختگی اور بُوکھلاہٹ کیوں؟

اس کا سبب وہ انقلاب تھا جس کی تصویر اس مختصر جماعت کے آئینہ کردار میں اُن کو نظر آرہی تھی جو اس چند سال کے عرصہ میں (جو تربیت کے لیے مخصوص تھا) محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دامن میں تربیت پاکر تاریخ عالم کے پلیٹ فارم پر جلوہ گر ہو چکی تھی جو ایک طرف شرک و الحاد کے مقابلہ میں توحید۔ فسق و فجور کے مقابلہ میں مکارم اخلاق۔ حیوانیت اور بہیمیت کے

مقابلہ میں انسانیت اور شرافت کی علمبردار تھی، تو دوسری جانب راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر کلامِ الٰہی کی وہ آیتیں بھی گنگنایا کرتی تھی جو مفاد پرست، دولت و ثروت اور ظالمانہ سرمایہ داری کے خلاف گرج رہی تھیں۔ جس کا کردار یہ تھا کہ اپنی دولت کو راہِ خُدا میں لٹا کر ان آیتوں کے مفہوم و مقصود کا وہ نقشہ پیش کر رہی تھی۔ جو اُن دولت پرستوں کے لیے بہت ہی وحشت ناک تھا۔ جھنجھلاہٹ اور اشتعال کا باعث یہ بھی تھا کہ محمد رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو سمجھانے کی جتنی کوششیں کیں وہ ناکام ہوچکی تھیں۔

ابولہب جیسا سرمایہ پرست جو خزانۂ کعبہ کے غزالۂ زرّیں پر بھی ہاتھ مار دے، عاص بن وائل جیسا سرمایہ پرست جو مزدُور کی مزدُوری برسوں تک ٹلاتا رہے۔ ولید بن مغیرہ جیسا حریص جو سب سے بڑا دولت مند ہونے پر بھی صبر نہ کرے اور اُس کی طمع اور لالچ کا جہنّم "ھل من مزید" پکارتا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ اور مسعود ثقفی جیسے جاگیردار جن کی زندگی کا نصب العین ہی جاگیرداری اور زراندوزی ہو، ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے باغی اور طاغی بڑے بڑے کاروبار کے مالک جو مکّہ اور مکّہ سے گزر کر پُورے عرب پر چھائے ہُوئے ہُوں، سورہ ھمزہ میں انھی جیسوں کے لیے فرمایا گیا ہے:

> "جہنّم کی ہلاکت اور بربادی ہر ایسے شخص کے لیے جو دوسروں کے عیب نکالے اور اُن کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہُوئے طعنے دے۔ جس کی خصُوصیّت یہ ہے کہ اُس نے مال بٹور رکھا ہے اور اس کو بار بار گنتا رہتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا۔ (اس کی سرمایہ داری پائدار ہوگی) ہرگز نہیں، بلاشُبہ ایسا ہوگا کہ اُس کو حُطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ تم جانتے ہو حُطمہ کیا ہے۔ وہ خُدا کی بھڑکائی ہُوئی آگ ہے جو دلوں کو جھانک[1] لیتی ہے۔ بلند اور دراز ستونوں کی طرح اس آگ کے شعلے ہوں گے اُن لوگوں کو ان آتشیں ستونوں میں گھیر کر بند کر دیا جائے گا۔ (سورۂ ہمزہ ۱۰۴)

سورۂ ہمزہ کو بار بار پڑھیے۔ آپ کو سرمایہ داروں کے اس غیر معمولی اشتعال کا سبب معلوم ہوجائے گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ابتدائی دَور میں اسلام سے مشرف ہوگئے تھے۔ آپ

---

[1] ایمان ہو تو نہیں جلاتی کفر ہو تو جلا ڈالتی ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ (باقی ص ۱۴ پر)

مولای صل وسلم دائما ابدا درس حدیث علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درس حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں مجلسِ ذکر منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہوکر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارفؒ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرۃ شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ ان سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ و لالہ انوارِ مدینہ کے ذریعہ حضرۃ رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرۃ کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرۃ مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ان دلوں پہ "صدأ" آجاتا ہے۔ زنگ آجاتا ہے۔ "کما یصدأ الحدید" جیسے کہ لوہے

پر زنگ آجاتا ہے "اذا اصابہ الماء" لوہے کو اگر پانی لگتا رہے تو وہ خراب ہوجاتا ہے "قیل یارسول اللہ وما جلاؤہا" عرض کیا گیا دلوں کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہوگا، لوہے کو صاف کرنے کا طریقہ تو اور ہے۔ قال کثرۃ ذکر الموت و تلاوۃ القرآن ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور تلاوت قرآنِ پاک یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے دل کی صفائی ہوتی ہے موت تو ایسی چیز ہے جو فرضی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے نہ آج تک کوئی باقی رہا ہے اور نہ رہنا ہے اور سب کو نظر آتا ہے، سب اپنے ہاتھوں اس کے سارے کام انجام دے کر آتے ہیں مگر اس کے باوجود دُنیا میں مصروفیت ایسا گھیراؤ ڈالتی ہے کہ آخرت سے جو کہ حقیقت ہے، پھر نظر ہٹ جاتی ہے اور پھر ان چیزوں میں لگ جاتا ہے اور دُنیا دُنیا داری دُنیا کی محبّت بھی ایسی چیزیں ہیں جو سب سے زیادہ گناہوں کا سبب بنتی ہیں، انسان گناہ کرتا ہی اسی وجہ سے ہے کہ اسے یہ بیماری لگ جاتی ہے حب دُنیا کی حُب جاہ، حبّ مال، حب جائداد یا اسی قسم کی چیزیں ارشاد ہُوا "حُب الدنیا رأس کل خطیئۃ" دُنیا کی محبّت ہر بُرائی کی جڑ ہے تو جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا موت کی یاد کی کثرت ایسی چیز ہے جو انسان کے دل کو اُس طرف سے اِس طرف لاتی ہے۔ غلط سے صحیح کی طرف اور دُنیا سے آخرت کی طرف اس کو گھسیٹ لاتی ہے اور جب نظر آخرت کی طرف آجائے تو گویا ایک راستہ اور مرحلہ طے ہوگیا۔

دوسرا مرحلہ تلاوت قرآنِ پاک (کی برکت) سے طے ہوجاتا ہے، کیونکہ جب کوئی آدمی کثرت سے تلاوت کرے گا تو بسا اوقات اُس کو یہ خیال آجاتا ہے کہ اس کا ترجمہ بھی تو دیکھوں کہ کیا ہے۔ جب ترجمہ کچھ سمجھ آنے لگتا ہے تو انسان عمل کی طرف آجاتا ہے تو یہ دوسرا مرحلہ بھی طے پا گیا، تو اَب قلبی کیفیّت تو یہ ہُوئی۔ کہ اُس کے سامنے حقیقت عیاں ہوجائے۔ یہ دُنیا جس میں ہم ہیں۔ عارضی ہے اور آخرت جو آنے والی ہے وہ ہی حقیقی ہے، یہ طبعی طور پہ ناپائیدار ہے اور وہ پائیدار یہ تبدیلی تو دل کی حالت کی ہوئی اور دوسری تبدیلی عملی ہُوئی جس کا سبب کثرت سے تلاوتِ کلامِ پاک ہُوا۔ تلاوت کے اثرات قلب پر جو ہوتے ہیں وہ تو ہوتے ہی ہیں، اس کے علاوہ حسی اثرات بھی اس کے جسم پر مرتّب ہوتے ہیں مثلاً جھاڑ پھونک کے ذریعے، حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا فاتحۃ الکتٰب شفاء من کُل داء سورہ فاتحہ تمام بیماریوں علاج ہے، تو قلبی بیماریوں کے لیے بھی یہ علاج ہونا چاہیے یعنی ترجمہ اور مطلب کے اعتبار سے عقائد کی

اصلاح بھی ہے۔ خُدا کی حمد وثنا اور شکر کے بعد اس کی ربوبیت کا اعتراف ہے، توحید ہے ہدایت کی دُعا ہے اس کے علاوہ اس میں ایک جملہ عاجزی کا بھی ہے اپنی بہت عاجزی اور اللہ کی بڑائی کا بیان۔ وہ ہے ———— ایاک نعبد وایاک نستعین تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا مدد کرنے والا مدد کرنے والوں کی بھی مدد کرنے والا مدد کرنے والوں کو بھی توفیق دینے والا تو ہی ہے اور تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں اود تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں کیونکہ حقیقتاً مدد دینے والا تو ہی ہے تو پُوری مخلوق کے بارے میں جیسا کہ اس نے اعتراف کیا عاجزی کا اسی طرح اس نے تمام مخلوقات کے بارہ میں گویا اعتراف کیا کہ کوئی بھی تو مدد کے قابل نہیں اور کون مدد کر سکتا ہے اگر کسی کا خُدا نخواستہ اُنگلی کا اتنا سا ٹکڑا ضائع ہو جائے اور ماں باپ چاہیں کہ کسی طرح سے یہ پیدا ہو جائے تو نہ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ اپنا لگا سکتے ہیں تو اصل میں مدد دینے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اس مضمون کا اثر باطن پر تو یہ پڑتا ہے کہ جو غلط عقائد ہیں اُن سے ہدایت پر آجاتا ہے اور ظاہری طور پر یہ ہے کہ پھر انسان یہ اعتراف کرتا ہے اور خُدا سے مدد چاہتلہے تو اس کے کثرت سے پڑھنے سے فوائد ضرور مرتب ہوتے ہیں، چالیس اکتالیس دفعہ روزانہ پڑھتے ہیں زیادہ سے زیادہ ایک سو ایک دفعہ پڑھنا پانی پہ دم کرنا یہ پلانا بیمار کو کافی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے اندر عقائد اور معانی کے اعتبار سے بھی شفا رکھی ہے دُعاء

بقیہ: سیرۃ مُبارکہ

کی مشہور روایت[1] ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دیوار کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے میں سامنے پہنچا تو آپ فرما رہے تھے "ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الکعبۃِ یَوْمَ القیامۃِ" ربّ کعبہ کی قسم قیامت کے روز یہی لوگ خسارہ میں ہوں گے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَیں نے یہ الفاظ سُنے تو مَیں چونک گیا مجھے خیال ہُوا کہ کہیں میرے بارہ میں بھی کوئی آیت نازل ہُوئی ہے؟ مَیں نے عرض کیا یا رسُول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ یہ بدنصیب کون ہیں؟

فرمایا۔ جو سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ صرف وہ مستثنٰی ہیں جو آگے پیچھے دائیں بائیں سب طرف خرچ کرتے رہیں۔

---

[1] ترمذی شریف ص ۲۸ ج ۱ و مسلم شریف ص ۳۲۰ ج ۱ وغیرہما۔

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمدؐ طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمدؐ طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند نے ــــــھ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ٢٩ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ١٩٨٨ء میں دیوبند جانا ہُوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اَب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہُوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہا اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں، اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔ لیجیے حضرت قاری صاحب کے درس کی پہلی قسط ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت قاری صاحب خطبۂ مسنونہ اور سورۂ ملک کی چند آیات کی تلاوت کے بعد فرماتے ہیں۔

دُنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال ہیں

پہلے اتنی بات سمجھ لیجیے کہ اس دُنیا میں جو کچھ بھی کارگزاری ہے وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صفاتِ کمال ہیں۔ ہر صفتِ کمال سے وہ جلوہ گر ہیں اور ہر صفت اپنا کام کر رہی ہے۔ اُن میں سے ایک صفت حق تعالیٰ کی ہے "مَلِکُ" ہونا کہ وہ بادشاہ ہیں، جیسے وہ معبود ہیں، جیسے رحمٰن اور رحیم ہیں اور جیسا کہ قدوس اور سلام اور مؤمن اور مُھَیمِن ہیں اس طرح سے وہ مَلِکْ بھی ہیں بادشاہ بھی ہیں ساری کائنات کے، اُن کی جیسے اور صفات اس عالم میں جلوہ گر ہیں اپنی اپنی کارگزاری دِکھلا رہی ہیں۔ اسی طرح سے صفتِ ملوکیت، بادشاہت کی صفت (ہے) جو کہ جلوہ گر ہے اس عالم میں، اور ذرہ ذرہ میں اللہ کی حکومت، حکمرانی اور بادشاہی نمایاں

ہے اور اس سے ایک نظام قائم ہے، یہ نظام اجتماعی فطرت اللہ ہے۔ یعنی کائنات حق تعالیٰ نے جو بنائی اور اس کو چلایا یہ عیاذاً باللہ کوئی بد نظمی سے نہیں چل رہا بلکہ ایک نہایت ہی محکم نظام ہے اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اُس نظام کی بندشوں میں جکڑا ہُوا ہے ایک چیز بھی اپنے نظم سے نہیں ہٹ سکتی۔ فرق اتنا ہے کہ ایک نظام ہے تکوینی جس کا تعلق اللہ کے اَفعال سے ہے۔ یہ نظام اس قدر محکم ہے کہ اس میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں ہے۔ مثلاً اس کائنات میں اللہ نے سورج پیدا فرمایا روشنی کے لیے اس کی ایک حرکت قائم رکھی اُس حرکت سے رات اور دن بنتے ہیں اور پھر رات اور دن کے مجموعے سے مہینے بنتے ہیں اور مہینوں کی ایک خاص تعداد سے سال بنتے ہیں جس سے ہم سَن اور مہینے اور دن اور گھنٹے متعین کرتے ہیں تاکہ ہمارے جتنے کاروبار ہیں یہ اُس نظم کے اندر بندھے رہیں اور ضبط و انتظام کے ساتھ ہماری زندگی گزرے۔ اس سورج کی حرکت میں اور دن اور رات بنانے میں کبھی کوئی ادنیٰ فرق نہیں پڑا۔ یہ اللہ نے ایسی گھڑی بنائی ہے کہ جب سے اسے چابی دی ہے دوبارہ کبھی چابی دینے کی ضرورت نہیں پیش آئی، نہ اس گھڑی کی بال کمانی کبھی بگڑتی ہے نہ کبھی اس میں مرمّت کی ضرورت پیش آتی ہے کہ گھٹا اور بڑھا دیں ایک سلسلے کے ساتھ نظامِ عالم چل رہا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ سورۂ یٰسٓ آیت ۴۰

"نہ سُورج کی یہ مجال ہے کہ کوئی جلدی کر بیٹھے چاند کو جا پکڑے نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ ذرا آگے تو بڑھ کر دن پہ قبضہ کرلے۔"

دن اپنے وقت پے آرہا ہے رات اپنے وقت پے۔ پھر ان رات اور دن سے یہ زمانہ بن رہا ہے موسم بن رہے ہیں یہ موسم اپنی اپنی جگہ سب محکم اور استوار ہیں، گرمی اپنے وقت پہ آئے گی سردی اپنے وقت پے، برسات اپنے وقت پے، پھر ہر موسم سے متعلق جو پھل اور پھول اور دانے ہیں وہ اپنے ہی وقت پے نکل رہے ہیں۔ بہت سے پھل ہیں جو کہ برسات کے ہیں، بہت سے ہیں جو سردیوں میں پیدا ہوتے ہیں بہت سے ہیں جو گرمیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے وقت پر اُگ رہے ہیں اور نکل رہے ہیں۔ لوگوں کو اُن سے

فائدہ پہنچ رہا ہے۔

اسی طرح سے دن بنایا تاکہ ہمارے کاروبار چلیں، تو دن کی روشنی میں ہم اپنے کاروبار چلا رہے ہیں، تجارت کے زراعت کے کارخانے داری کے اور چونکہ انسان کی قوّت محدود ہے اور وہ خرچ ہونے سے گھٹتی اور بڑھتی ہے اس لیے تعَب اور تکان بھی پیدا ہوتا ہے کہ دن بھر کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو رات کا وقت رکھا اور اس کو فرمایا:

وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا

رات کو ہم نے سکون کا ذریعہ بنایا

کہ اس میں تھکے ماندے آرام کریں اور جو سو رہے ہیں، وہ پھر اگلے دن کے لیے تازہ دم ہوکر کھڑے ہوجائیں اور اپنے کاروبار میں لگیں، تو رات کو سکون کے لیے رکھا۔ دن میں بھی پانچ چھ گھنٹے کام کرکے طبعًا آدمی تھک جاتا ہے تو وقتِ نہار، دن کا بیچ کا حصّہ قیلولہ کے لیے رکھا اور اُسے سُنّت قرار دیا گیا۔

دوپہر بارہ بجے سونے سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے

بلکہ بعض روایات میں فرمایا گیا ہے کہ دن کے بارہ بجے جب آدمی سوتا ہے تو اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کے تمدّن میں بارہ بجے کا قیلولہ ہی باقی نہیں۔ آج ٹھیک بارہ اور ایک بجے کھانا کھاتے ہیں ظہر کے وقت، پھر قیلولہ کا وقت تو گزر جاتا ہے کھانے کے انتظار میں اور کھانے کا وقت آتا ہے تو اُس کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ ظہر اور عصر کے درمیان میں جو کام کرسکتے ہیں اس میں فرق پڑے گا۔ تو غرض جو کھانے کا وقت تھا وہ انتظار میں گزرا جو کام کا وقت تھا وہ کھانے میں گزرا اور اس کے بعد جو آگے کام کا وقت تھا یا بے کاری میں گزرا یا تعب اور تکان میں گزرا، اس واسطے روایت میں فرمادیا کہ بارہ بجے کا وقت ہے سکون کا اور اس میں آدمی دس بیس منٹ آدھ گھنٹہ بھی اگر قیلولہ کرلے تو نشاط پیدا ہوجاتا ہے طبیعت میں، اور وہ جو ایک پسماندگی سی پیدا ہوجاتی ہے تھکن و تعب، وہ نکل جاتا ہے۔ پھر آدمی بقیہ آدھے دن کے لیے تیار ہوجاتا ہے تو گویا رات رکھی سکون کے لیے اور دن میں بارہ بجے کا وقت رکھا سکون کے لیے۔

دن و رات کی تقسیم

پھر تین حصّوں پر منقسم کر دیا کہ دو حصّے دن کے ہیں وہ کاروبار کے لیے بیچ کا حصّہ سکون کے لیے اور رات پُوری سکون کے لیے اس رات میں پھر واجب نہیں فرمایا، مگر افضلیت اس کی بیان کی، استحباب بیان کیا کہ تہجد پڑھے آدمی تاکہ رات بھی دو حصّوں میں منقسم ہو جائے۔ ایک حصّہ سکون و آرام کا، ایک حصّہ طاعت و عبادت کا اور وہ طاعت و عبادت کا جو رات میں وقت رکھا گیا ہے، وہ سب سے زیادہ مقبول وقت ہے۔

آخری تہائی رات میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا پر اُترتے ہیں، اُن کا اُترنا کیسا ہوتا ہے ۔

حدیث میں فرما دیا ہے کہ آخری تہائی رات میں حق تعالیٰ اُترتے ہیں آسمانِ دُنیا پر، جیسا اُترنا اُن کی شان کے لائق ہے۔ وہ اُترنا اس طرح کا نہیں ہے کہ جیسے ہم اُوپر کے مالے سے نیچے کے مالے میں آجائیں۔ درجہ بہ درجہ سیڑھی بہ سیڑھی اُترتے ہیں۔ یہ اجسام کے متعلّق ہے حق تعالیٰ شانہٗ پاک ہیں جسم سے وہ بری و بالا ہیں اس لیے اُن کا اُترنا اُنہی کی شان کے مطابق ہے۔ اُترنے کا لفظ حقیقت پر محمول ہوگا، لیکن کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کس کیفیت سے اُترتے ہیں۔ جیسی اُن کی جنابِ قدوس ہے اسی انداز کا اُن کا اُترنا بھی ثابت رہا ہے ہم کیفیّت نہیں بیان کر سکتے۔ اتنا ہم جانتے ہیں دُنیا میں کہ بہت سی چیزوں کی طرف اُترنے کی نسبت کی جاتی ہے، مگر ہر ایک کا اُترنا اپنی شان کے مطابق ہوتا ہے اگر آپ یُوں کہیں کہ میں پانچویں مالے سے اُترا اور نچلے مالے پہ آیا تو اُس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک سیڑھی ہے جس پر درجہ بہ درجہ آپ اُترتے ہیں، لیکن اگر آپ یوں کہیں کہ میرے دل میں ایک مضمون اُتر آیا تو کیا وہاں مضمون کے لیے بھی سیڑھی لگائی گئی؟ مضمون ایک لطیف چیز ہے۔ معنوی چیز ہے اس معنوی چیز کے اُترنے کا طریقہ بھی معنوی ہے، وہ جسمانی نہیں ہو سکتا کہ جسم اُترتے ہیں جسمانی سیڑھیوں سے اور معنویات اُترتی ہیں معنوی انداز سے۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں کی محبّت میرے دل میں گھر کر گئی، اُتر آئی تو وہ کوئی کسی سیڑھی سے نہیں اُتری وہ اپنی شان کے مطابق اُتری ہے، جیسے محبّت ایک معنوی چیز ہے۔ ویسے ہی اس کا زینہ بھی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وہ ہے کہ جسم سے بھی بری اور پاک اور جس کو آپ رُوح کہتے

اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا پر اُتر کر سوال کرتے ہیں

ہیں اُس سے بھی بری اور پاک۔ رُوح بھی اُن کی پیدا کی ہُوئی ہے اور جسم بھی اُن کا پیدا کیا ہُوا ہے کہ روح اور جسم دونوں محدود چیزیں ہیں اور ہر محدود چیز کچھ نہ کچھ مرکب ہوتی ہے۔ وہ حادث ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ ترکیب سے بھی بری ہیں۔ مرکب ہونے سے بھی بری، مجرّد ہونے سے بھی بری لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ اُن کی کوئی مثال نہیں کہ بیان کی جا سکے اس لیے کہ مثال جو بھی دے گا۔ اُن کے سوا، وہ مخلوق ہوگی اور خالق اور مخلوق میں زمین اور آسمان سے بھی لاکھوں گنا زیادہ فرق ہے تو اُن کی مثل تو کوئی نہیں ہو سکتا، مثال البتّہ ہو سکتی ہے، لیکن اگر کچھ سمجھا جائے، مگر وہ مثال بھی محض فہم کے قریب لانے کے لیے بولی جاتی ہے۔ مثال پوری طرح اُن پر مُنطبق نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر مثل سے ہر مثال سے بری ہیں تو بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات مُنزّہ اور مقدس ہے، اُن کا اُترنا آسمانِ دُنیا پر اُن ہی کی شان کے مطابق ہے جس کو ہم نہیں جانتے، نہ ہم اُس کیفیّت کو بیان کر سکتے ہیں، لیکن حاصل یہ کہ اُترتے ہیں اور پھر یہی نہیں کہ اُتر آتے ہیں آسمانِ دُنیا پر بلکہ انتہائی رحمت اور شفقت سے حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلاتے ہیں اور وہ ہاتھ پھیلانا بھی انہی کی شان کے لائق ہے جیسا ان کی جناب کے مناسب ہے اور فرمایا کہ دونوں ہاتھ کھول کر پھیلا کر فرماتے ہیں کہ اَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَطْلُبُ منه میں بادشاہ ہُوں کوئی ہے مانگنے والا مجھ سے اَنَا الرَّازِقُ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَسْتَرْزِقُ مِنْهُ میں رزاق ہُوں، رزق دینے والا ہُوں کوئی ہے رزق کا طلبگار اَنَا الْغَافِرُ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَسْتَغْفِرُ مِنْهٗ میں بخشنے والا ہُوں کوئی ہے بخشش مانگنے والا۔ پھر خود فرمایا کرتے ہیں کہ مانگو مجھ سے اور گویا جھنجھوڑتے ہیں سونے والوں کو کہ کوئی ہے مانگنے والا کوئی ہے پُکار کرنے والا۔ پھر ایک تو یہ کہ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر آپ خود حاضر ہوں اور جا کہ اطلاع کرائیں کہ حاضر ہونا چاہتے ہیں ممکن ہے اجازت ملے، ممکن ہے نہ ملے۔ محروم واپس آنا پڑے لیکن بادشاہِ عالمین خود آتے ہیں اُتر کر آپ کی طرف عرشِ عظیم سے اُتر کر آسمانِ دُنیا پر اور یہ آسمانِ دُنیا آپ کی چھت ہے اس دُنیا کی جس کے اُوپر اور آسمان ہیں سب سے نیچے آسمان ہے یہ آسمانِ دُنیا آسمانِ دُنیا

ہی اس لیے ہی کہلاتا ہے کہ دُنیا کی چھت ہے تو گویا آپ کے مکان کی چھت پر آکر آواز دیتے ہیں کہ سونے والو کوئی ہے مانگنے والا

ے ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

تو ایک تو یہ کہ ہم سوال کریں تو کچھ عطا فرمائیں وہ خود سوال فرماتے ہیں کہ کوئی مانگنے والا ہو تو مانگے، ہم دینے کے لیے آگئے۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت اگر کوئی مانگے گا تو وہ سوال اور دُعا خالی نہیں جا سکتی، رائیگاں نہیں جائے گی، کیونکہ بادشاہ کہہ کر دُعا منگوا رہے ہیں آپ سے سوال کرا رہے ہیں خود سوال کرائیں پھر محروم کر دیں اسے عقل قبول نہیں کرتی اس واسطے یہ وقت خاص مقبولیت کا ہوتا ہے۔ اس وقت جو مانگا جائے ملتا ہے۔ (جاری ہے۔)

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی وقرائت سبعہ وعشرہ اور روایت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستاربندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔ (شکریہ)

اس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اجر اور اسکے استحکام، بقاء اور ترقی کا باعث ہوگا۔

- ★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
- ★ اس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
- ★ اس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

ماہنامہ
انوارِ مدینہ
لاہور

قُربانی

○

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمدؒ طیبؒ

○

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَّوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَ اِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَ اِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عمل بقرعید کے دن خدا تعالیٰ کو خُون بہانے سے زیادہ عزیز نہیں اور وہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں اور پاؤں اور کھروں سمیت آوے گی اور بیشک خُون قربانی کا زمین پر گرنے سے پہلے ہی جنابِ الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہے۔ پس خوش کرو اس قربانی کے ساتھ اپنا دل۔

محترم بزرگو! یہ حدیث جو مَیں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ قربانی کے احکام پر مشتمل ہے جو اس وقت تقریر اور جلسہ کا موضوع ہے۔ تقریر تو مختصر ہو گی۔ اس لیے کہ اوّل تو مسئلہ جزوی ہے اور جزئیات میں تفصیل نہیں ہوتی، کیونکہ بسط و تفصیل تو اُصول میں ہوتی ہے اس کے علاوہ یہ ایک عام مسئلہ ہے اور اس سے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو واقف نہ ہو۔ قربانی کا عمل کوئی حال کا عمل نہیں بلکہ صدیوں سے چلا آتا ہے۔ اس لیے بھی اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں، نہ تو نفس مسئلہ میں تفصیل کی گنجائش ہے اور نہ اس کے عام ہونے کی وجہ سے تفصیل کی ضرورت ہے۔

مسئلے کی شرح سے پہلے ایک اُصول سمجھ لیجیے اور یہ اُصول جس طرح تکوینی ہے اسی طرح تشریعی

بھی ہے۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس کائنات کا ذرہ ذرہ دو چیزوں سے ملا کر بنایا ہے۔ ایک رُوح ایک جسم، یعنی ہر چیز کی ایک صورت ہے ایک اس کی حقیقت، ایک اس کی ہئیت ہے۔ اور ایک اس کی ماہیت ہے۔ یا یُوں کہیے کہ ایک اس کا ظاہری حصّہ ہے اور ایک باطنی، غرض تمام انسان کل حیوانات، نباتات، جمادات کی جہاں ایک صُورت ہے وہاں اُس کی ایک حقیقت بھی ہے۔ ایک اس کا بدن بھی ہے اور ایک اس کی رُوح ہے اور ہر بدن میں خدا تعالیٰ نے اس کے مناسب روح ڈالی ہے۔ جب حق تعالیٰ کی توجّہ کائنات کی طاقتوں اور بدن بنانے کی طرف متوجہ ہُوئی تو یہی اُصول مدِّ نظر تھا۔ سب سے پہلے انسان ہی کو لیجیے کہ اوّل انسان کا بدن تیّار کیا جاتا ہے۔ جس کی ابتداء نطفہ یعنی ایک گندے قطرے سے ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔

یعنی ہم نے انسان کو مٹّی کے خلاصہ یعنی گندے قطرے سے بنایا۔ جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خُون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے ان کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تو رُوح ڈالنے سے پہلے ڈھانچہ تیّار کیا جاتا ہے جس کی تیاری میں زمین کی قوتیں بھی متوجہ ہوتی ہیں، آسمان کی بھی، آفتاب کی بھی تاثیر متوجّہ ہوتی ہیں اور ہواؤں کی بھی، غرض جب کائنات کی ساری قوّتیں مل کر ڈھانچہ تیّار کر لیتی ہیں تو اس میں پھر رُوح ڈال دی جاتی ہے۔ یہی صُورت سارے جمادات، حیوانات اور نباتات کی ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اس کائنات کی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ جب اس کا بدن اور رُوح ملے ہُوئے نہ ہُوں گویا بدن کی بقا موقوف ہے رُوح پر

اور رُوح کی بقاء بدن پر۔ اگر آپ نے بدن کو توڑ پھوڑ کر خستہ و خراب کر دیا یا خود ہی قدرتی طور پر خراب ہوگیا اور اُس میں سکت باقی نہ رہی تو پھر اس میں رُوح نہیں ٹھہرتی بلکہ پرواز کر جاتی ہے۔ اس لیے کہ بدن ہی رُوح کو سنبھالے رکھتا ہے۔

مثلاً انسان میں اگر رُوح ہے تو وہ انسان ہے ورنہ لاشہ ہے جو بیکار ہے پھر جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ رُوح ہے اسی طرح بدن کے ہر ہر جزو کی ایک رُوح ہے، جو اسی جزو کے ساتھ رہ سکتی ہے، اگر اس جزو کو ختم کر دیا جائے تو یہ رُوح بھی نہ رہے گی، یہ نہ ہوگا کہ بدن کے ایک جزو کو ختم کر دیں تو اُس کی رُوح کسی دوسرے جزو میں پہنچ جائے۔ مثلاً آنکھ ہے اُس کی رُوح قوّتِ بینائی ہے۔ اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے کی قوّت مثلاً ناک میں آجائے بلکہ یہ قوّت باقی ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح ناک ہے اس میں سونگھنے کی قوّت ہے وغیرہ۔

غرضیکہ خداوند تعالیٰ نے جس قدر قویٰ پیدا کیے ہیں اُن میں قوّت اور رُوح بھی پیدا کر دی ہے اور یہ دونوں مل کر کائنات کا حصّہ بنتے ہیں۔ اگر دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے تو اسی حقیقت کو "موت" کہتے ہیں اور اس حقیقت سے کائنات کی تمام اشیا ختم ہو جاتی ہیں۔

ایک دوسرا اُصول اور سمجھ لیجیے جو اسی سے متعلّق ہے کہ بدن کے اندر جو قوّتیں چھپی ہوئی ہیں اُن کی پہچان ان ابدان ہی کے ذریعے کی جاتی ہے۔ مثلاً قوّتِ بینائی کی شناخت آنکھ سے کی جاتی ہے اور قوّتِ سماعت کی کان سے۔ غرض یہ صورتیں ان قوّتوں کے تعارف کا ایک ذریعہ ہیں۔ اگر یہ صُورتیں نہ ہوں تو یہ تعارف ختم ہو جائے اس اُصول کا حاصل یہ ہُوا کہ بدن ذریعہ ہے رُوح کی پہچان کا۔

اب تیسرا اُصول اور سمجھ لیجیے کہ اگر آپ رُوح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ بدن ہی کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ اس عالم میں براہِ راست رُوح کو متأثّر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں مثلاً اگر آپ رُوح پر گرمی کا اثر کرنا چاہیں تو بدن کو آگ کے سامنے لے جائیں، جب پہلے بدن گرم ہو جائے گا اُس کے بعد رُوح کو گرمی پہنچے گی اور اگر ٹھنڈک پہنچانا چاہیں تو آپ بدن پر پانی ڈالیں گے یا اس پر برف ملیں گے یا وضو کریں گے وغیرہ۔ غرض ہر تاثیر کے لیے بدن ذریعہ ہے۔ بغیر بدن کے اثرات نہیں پہنچ سکتے۔

تین اُصول

تو اب تین اُصول معلوم ہُوئے کہ بدن سے تین کام لیے جاتے ہیں۔ اوّل روح کے قرار و قیام کا، دوسرے رُوح کے تعارف کا اور پہچان کا اور تیسرے تاثیر کا اور یہ تینوں باتیں اس قدر ظاہر ہیں کہ اُن پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور یہ تینوں اُصول جس طرح تکوینی ہیں اسی طرح تشریعی بھی ہیں۔ یعنی اعمالِ شرعیہ میں بھی ایک صُورت ہے۔ ایک رُوح اور بغیر صُورت کے رُوح کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر رُوح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ صُورت ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کی مثالوں سے شریعت بھری پڑی ہے۔

مثال کے طور پر وضو کو لیجیے کہ اس کی ایک صورت ہے اور ایک روح، اس کی صُورت تو وہ خاص ہیئت اور افعال ہیں جو انسان وضو کرنے کے وقت اختیار کرتا ہے۔۔ یعنی ایک خاص طرح سے بیٹھ کر اعضاء کا دھونا وغیرہ اور یہی ہیئت اس کے تعارف کا ذریعہ ہے، چنانچہ جب آپ وضو کر رہے ہوں تو ہر شخص آپ کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ آپ وضو کر رہے ہیں، کھانا نہیں کھا رہے، کیونکہ کھانا کھانے کی ہیئت اور ہے، اور ایک اس کی رُوح ہے، یعنی طہارت حاصل کرنا، تاکہ انسان دربارِ الٰہی میں حاضری کے قابل ہو سکے اور ایک اس کی تاثیر ہے یعنی وہ خاص قسم کا انشراح جو انسان کے قلب میں وضو کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ طہارت اور انشرح بغیر وضو کی صورت اختیار کیے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح غسل کی ایک صورت ہے، یعنی تمام جسم کو دھونا اور ایک اس کی روح ہے، یعنی طہارت اور صفائی ——— اور اس کی تاثیر فرح و انبساط ہے، اب اگر کوئی شخص تمام عمر غسل نہ کرے تو اس کو فرح و انبساط کی وہ خاص کیفیت کبھی بھی نصیب نہ ہو گی۔

الغرض ہر چیز کی روح حاصل کرنے کے لیے اس کی صُورت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح آپ نماز کو لیجیے کہ اس کی صُورت، نیت باندھ کر کھڑا ہونا اور رکوع و سجود وغیرہ ادا کرنا ہے اور اس کی روح خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا اور اپنی عبدیت اور بندگی کا اظہار کرنا ہے تو اگر آپ نماز کی ہیئت اختیار نہ کریں تو بندگی کی یہ خاص صُورت کبھی بھی حاصل نہ ہو گی۔ اسی طرح زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ عبادات ہیں کہ ہر ایک کی ایک رُوح اور صُورت ہے۔

(باقی صنہ ۴۱ پر)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

حُسنِ ادب

بڑوں کا اَدب و احترام اور اساتذہ و شیوخ کا اکرام و خدمت گزاری ہمیشہ سے اکابرِ دین و علمائے سلف کا امتیازی وصف رہا ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اکابر و اسلاف کی روش قابلِ تقلید ہے، اسی میں ہماری عزّت و سربلندی ہے۔ ہمارے مذہب نے جس طرح عقائد و عبادات اور معاملات و اخلاق کے سبق ہم کو بتائے ہیں، اسی طرح اس نے ہم کو آداب بھی سکھلائے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ عمدہ روش اچھّے انداز اور میانہ روی نبوّت کے پچیس اجزا میں سے ایک جزء ہے (یعنی یہ چیزیں انبیاء علیہم السّلام کے عادات و خصائل میں سے ہیں) اسی لیے علماء نے فرمایا کہ اَدب و وقار، فضل و حیاء اور حُسن و سیرت سیکھنا شرعاً و عُرفاً مسنون ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی آداب کی تھوڑی سی تفصیل اور اُس کے ساتھ ساتھ اُستاد اور عالم کا حق اور اُن کے اِجلال و احترام کے احکام کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

ابُوداؤد میں مروی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بُوڑھے مُسلمان اور عالم و حافظِ قرآن اور بادشاہِ عادل کی عزّت کرنا خُدا کی تعظیم میں داخل ہے۔ "الآداب الشرعیہ" میں بروایت ابی امامہؓ یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ تین باتیں خُدا کی تعظیم کی فرع ہیں۔ اسلام میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے والے کی توقیر اور کتاب اللہ کے حامل کا احترام اور صاحبِ علم کا اکرام، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

اسی کتاب میں حضرت طاؤسؒ سے مروی ہے کہ عالم اور بُوڑھے اور بادشاہ اور باپ کی توقیر سُنّت ہے۔

ایک اور حدیثِ مرفوع میں اہلِ علم کے استخفاف کو منافق کا کام بتایا گیا ہے (مجمع الزوائد) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو ہم میں سے بڑے کی عزّت نہ کرے اور چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری اُمّت میں سے نہیں ہے۔

امام مالکؒ فرماتے کہ ہارون رشید نے میرے پاس آدمی بھیج کر سماعِ حدیث کی خواہش ظاہر کی۔ مَیں نے کہلا بھیجا کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں، وہ لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتا۔ رشید یہ جواب پاکر خود آئے اور آکر میرے ساتھ دیوار سے ٹیک لگاکر بیٹھ گئے۔ مَیں نے کہا۔

یا امیر المؤمنین ان من اجلال اللہ اجلال ذی الشیبة المسلم یعنی خُدا کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ بُوڑھے مُسلمان کا احترام کیا جائے۔ ہارون کھڑے ہوگئے اور میرے سامنے شاگردانہ انداز سے بیٹھے۔ ایک مُدّت کے بعد پھر ملاقات ہُوئی تو کہا یا اَبا عبد اللہ تواضعنا لعلمک فانتفعنا بہ۔ ہم نے آپ کے علم کے لیے تواضع کیا، تو ہم نے اس سے نفع اُٹھایا (آداب الشرعیہ)

امام بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ خلیفہ مہدی جب مدینہ منوّرہ حاضر ہُوئے اور امام مالکؒ اُن کے سلام کو گئے، تو مہدی نے اپنے دونوں لڑکوں ہادی اور رشید کو امام مالکؒ سے حدیث سُننے کا حکم دیا۔ جب شاہزادوں نے امام مالکؒ کو طلب کیا تو اُنھوں نے آنے سے انکار کردیا۔ مہدی کو اس کی خبر ہُوئی اور اُس نے ناراضی ظاہر کی، تو امام نے فرمایا کہ العلم اھل ان یوقر و یوتی اھلہ۔ یعنی علم اس بات کا حق دار ہے کہ اُس کی توقیر کی جائے اور اس کے اہل کے پاس آیا جائے۔ اَب مہدی نے خود لڑکوں کو امام صاحب کے پاس بھیجا۔

امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہونے لگتے، تو حضرت ابن عباسؓ رکاب تھام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ علماء کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اسی طرح حضرتِ ابنِ عمرؓ (صحابی) نے مجاہدؒ (تابعی) کی رکاب تھامی۔ امام لیثؒ بن سعد امام زہریؒ کی رکاب تھامتے تھے۔

مغیرہ کہتے ہیں کہ ابراہیمؒ نخعی کی ہیبت ہم پر ایسی تھی جیسی بادشاہ کی ہوتی ہے اور یہی حال امام مالک کے شاگردوں کے ساتھ تھا۔

ربیعؒ کہتے کہ امام شافعیؒ کی نظر کے سامنے اُن کی ہیبت کی وجہ سے مجھے کبھی پانی پینے کی جرأت نہیں ہُوئی۔ (الآداب الشرعیہ)

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

سُنّتِ نبویؐ کی بالادستی

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

"سُنّتِ نبویؐ" کا موضوع اتنا عظیم اور اتنا وسیع ہے کہ اس موضوع پر جتنا بھی لکھا اور کہا جائے کم ہے بقول شیخ سعدی شیرازی:

نہ حسنش غلیتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں عیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

لفظ سُنّت کا مادہ (Root) س۔ن۔ن (سَنَّ سُنَّۃ) ہے جس کے لغوی معنی، راستہ اور منہاج کے ہیں، خاص طور پر ایسا راستہ، جس پر پہلے کوئی شخص چلا ہو، جیسا کہ ابن منظور الافریقی نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

"ہر وہ فعل جس کی کسی نے ابتدا کی، اور بعد کے لوگوں نے اس کی پیروی کی، اُس کو سُنت کہا جاتا ہے"[1]

اس پس منظر میں کسی کے "طریقے" اور انداز کو بھی سُنّت قرار دینا دُرست ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا	جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے تھے۔ ان کا
قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا	(اور اُن کے بارے میں ہمارا) یہی طریق رہا ہے
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا[2]	اور تم ہمارے طریق میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اصلاحی طور پر سُنّت سے مراد وہ اوامر اور وہ احکام ہیں، جن کی تعلیم نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے کسی قول یا فعل یا تقریر[3] کے ذریعے اُمت کو دی ہو[4]۔

---

[1] لسان العرب، بذیل مادہ [2] بنی اسرائیل (۱۷: ۷۷)

[3] تقریر نبوی سے مراد ایسا فعل ہے جو آپ کے سامنے کیا گیا ہو اور آپ نے اس پر خاموشی اختیار کی ہو۔ [4] لسان العرب، بذیل مادہ۔

وكل من ابتدا عمل به قوم بعد قيل هوالذى سنّة	اور ہر وہ عمل، جس کی کسی نے ابتداء کی اور بعد کے لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ اس کو سنت کہا جاتا ہے۔

چنانچہ مشہور شاعر نصیب کا شعر ہے:

كأنّى سننت الحبّ اوّل عاشق   من الناس اذا احببت من بينهم وحدى[1]

اسی لیے لغوی طور پر کسی اچھے کام کی ابتدا کرنے کو بھی سنت کہا جاتا ہے اور کسی غلط کام کے آغاز کرنے کو بھی۔ قرآنِ حکیم میں لفظ سنہ زیادہ تر اسی لغوی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ[2]	خدا چاہتا ہے کہ اپنی آیتیں تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے ...

تاہم اصطلاحی طور پر جیسا کہ اُوپر گزرا اس سے مراد وہ اوامر و نواہی، اور وہ احکام و شرائع ہیں، جن کا طریقہ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے کسی قول یا عمل یا تقریر کے ذریعے اُمّت کو تعلیم دیا ہو۔

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

واذا أطلقت فى الشرع فانما يراد بها ما امر به النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم و نهى عنه وندب اليه قولاً وفعلاً قمالم ينطق به الكتاب العزيز	جب لفظ سنة شرع میں مطلقاً بولا جائے، تو اس سے مراد ہوتا ہے، وہ طریقہ جس کا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا اور یا اس سے روکا، یا اپنے کسی قول فعل سے اس کا مستحب ہونا ظاہر کیا۔ بشرطیکہ

---

[1] لسان العرب، بذیل مادہ (ترجمہ گویا مَیں نے ہی پہلے پہل عاشق کی حیثیت سے محبّت کے طریقے کی ابتدا کی کیونکہ لوگوں کے درمیان میں اکیلا ہی مبتلائے محبّت ہوں۔

[2] النساء۔ (۴ : ۲۶)

اس کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہو، اس لیے اصول فقہ میں کتاب وسنہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

> ولهذا يقال فى ادلة الشرع الكتاب والسنة [1]

سُنّت کا یہ مفہوم عہدِ نبوی ہی میں اس قدر عام ہو گیا تھا، کہ اُسے اس مفہوم میں بآسانی بولا اور سمجھا جاتا تھا اسی لیے، چند ایک مقامات کے سوا ذخیرہ احادیث میں ہر جگہ لفظ سنتہ اسی مفہوم میں مستعمل ہُوا ہے، مثال کے طور پر مُسلم شریف میں ہے کہ:

"کچھ لوگ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ ایسے افراد، بھجوا دیجیے جو ہمیں قرآن و سُنّت کی تعلیم دیں"۔[2]

اس لیے مشہور ماہر لغت و اُصولِ فقہ امام الشاطبی نے سُنّت کے تین معانی بیان کیے ہیں: اوّلاً سُنّت بمقابلہ بدعت ثانیاً سُنّت بمعنی اقوال و افعال نبوی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ثالثاً سُنّت بمعنی وہ افعال جن پر صحابہ کا تعامل رہا ہو۔[3]

الغرض سُنّت کا مفہوم اور اُس کی حجیت (Authenticity) ہر دَور کے مُسلمانوں کے ہاں مسلّم رہی ہے۔ جمہور اُمّت کا یہ عقیدہ محض خوش فہمی یا خوش اعتقادی پر مبنی نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جا سکتا ہو، بلکہ مُسلمانوں کا یہ اعتقاد قرآن و سنہ کے ایسے نصوص اور قطعی دلائل پر مبنی ہے جن کا جھُٹلانا ناممکن ہے اور پھر یہ سَب کچھ ایسے واضح اور صریح الفاظ میں بیان ہُوا ہے کہ جس کے بارے میں کوئی ابہام یا اغلاق پیدا ہو ہی نہیں سکتا، مثال کے طور پر کہا ماننے اور تعمیل حُکم کے لیے عربی زبان و ادب میں سب سے زیادہ واضح اور قطعی الدلالہ الفاظ دو ہیں یعنی اتباع (پیروی کرنا) اور اطاعت (فرمانبرداری کرنا) اور قرآن مجید میں اُن میں سے اوّل الذکر کے ذریعے کم سے کم دس مرتبہ اور مؤخر الذکر کے ساتھ تیس مرتبہ غیر مشروط طور پر رُسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کا حُکم دیا گیا ہے اس کا بار بار تکرار و اعادہ اس کی اہمیّت اور قطعیت کا واضح ثبوت ہے۔ پھر مزید لُطف کی بات یہ ہے کہ کسی ایک جگہ بھی

---

[1] لسان العرب، بذیل مادہ۔

[2] مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید۔

[3] الموافقات (بحث السنۃ)

یہ نہیں فرمایا کہ "جس نے خُدا کی پیروی کر لی، اس نے رُسول کی بھی پیروی کر لی" یا "جس کو رُسول سے محبّت ہو، وہ خُدا کی اتباع کرے، اس کے بجائے قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا کہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ — جو شخص رُسول کی فرمانبرداری کرے گا، تو بیشک
اَطَاعَ اللّٰهَ[1] — اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

اور

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ — (اے پیغمبر) کہہ دو کہ اگر تم کو خُدا سے محبّت ہے تو
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ — تم میری پیروی کرو، خُدا بھی تم سے محبّت کرے گا
ذُنُوْبَكُمْ[2] — اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

گو کہ اوّل الذکر جملوں کی صداقت میں بھی شبہہ نہیں ہو سکتا، مگر چونکہ اس سے کوئی شخص پیغمبر کی "عدم اتباع" کا حکم مستنبط کر سکتا تھا، اس لیے اس سے احتراز کیا گیا۔ اسی طرح نافرمانی اور حکم عدولی کے لیے سب سے زیادہ واضح لفظ معصیت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں کم از کم ۱۰ مرتبہ اسی صاف اور صریح لفظ کے ساتھ، آنحضور کی نافرمانی کو موجب ضلالت و ہلاکت قرار دیا گیا ہے،[4] مثال کے طور پر سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — اور جو کوئی خُدا اور اس کے رُسول کی نافرمانی
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا[3] — کا وہ صحیح گُمراہ ہو گیا۔

یہ تو صریح الفاظ کے ذریعے اطاعت کا حکم اور معصیت کی مذمّت کا ذکر تھا، جبکہ قرآنِ مجید میں صریح الفاظ کے علاوہ بھی مختلف الفاظ و تراکیب کے ذریعے، مثلاً دعوتِ نبوی پر لبیک کہنے احکامِ الٰہی کی عوام الناس تک تبلیغ، نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف وحی ربّانی کے نزول اور آپ کی ہر بات کے، وحی ربّانی کے مطابق ہونے، آپ کی پیغمبرانہ ذمّہ داریوں، اور آپ کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور اپنے ہر معاملے میں آپ کو اپنا حاکم بنانے اور آپ کی ہر بات کو قبول کرنے وغیرہ سے بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غیر مشروط اطاعت کا حکم ثابت ہوتا ہے، جس کو تسلیم کرنا

---

[1] النساء (۴:۸۰) [2] آل عمران (۳:۳۱) [3] الاحزاب (۳۳:۳۶) [4] دیکھیے شاریہ بمدد محمّد فواد عبدالباقی۔ معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، بذیل مادہ۔

اتنا ہی ضروری ہے، جتنا خود قرآن مجید کو خداوند تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اہمیّت "سُنّتِ نبویہ" کو حاصل ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ سُنّت کے بغیر تو قرآنِ مجید کی تفہیم بھی ممکن نہیں، کیونکہ قرآن مجید نہ تو کوئی محض ادبی کتاب ہے اور نہ ہی شعر و شاعری کا کوئی مجموعہ کہ جس کے لیے محض لغت Dictionary کو دیکھ لینا کافی ہو، بلکہ قرآنِ مجید "تو کتاب ہدایت" ہے، اس کے ذریعے دُنیا میں ایک صالح انقلاب، برپا کیا گیا اور دُنیا کو اصلاح و تجدید کی دعوت دی گئی اور ہزارہا اصطلاحات اختیار کر کے دُنیا میں ایک عظیم اور صالح انقلاب کی بُنیاد رکھی گئی۔ لہٰذا اس کی تفہیم کے لیے لازمی ہے کہ نہ صرف احادیثِ نبوّیہ، بلکہ اقوال و آثار صحابہ اور اس ماحول کو پیشِ نظر رکھّا جائے، جس میں یہ عظیم الشّان کتاب نازل ہوئی۔ اور دین اسلام کے لیے مختلف ترکیبیں اور اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ اسی لیے امام شافعیؒ "الرسالۃ" میں "سُنّت" کی حیثیّت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے اہل علم میں سے اس رائے کا کوئی مخالف نہیں ملا کہ سُنّتِ نبوی تین اقسام پر مشتمل ہے:
اوّل الذکر وہ کہ جس کا حکم قرآن میں مذکور ہو، اور آپ اپنی سُنّت میں بھی وہی حکم بیان فرما دیں، دوسری قسم وہ کہ قرآن مجید میں کوئی حکم اجمالاً مذکورہ ہو، اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی تشریح فرما دیں۔ جبکہ تیسری اور آخری قسم یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا حُکم بیان فرمائیں، جو قرآنِ مجید میں مذکور نہ ہو، قرآنِ مجید میں حکمت[1] سے یہی قسم مراد ہے[2]۔"

خود قرآنِ مجید میں بھی "کتاب الٰہی" کی "تبیین و تشریح" کی ذمّہ داری آپ ہی کو سونپی گئی ہے مثال کے طور پر ایک مقام پر ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ	اور ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے، تاکہ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ	جو (اشارات) لوگوں پر نازل کیے ہیں، وہ
اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ[3]	تم اُن پر ظاہر کر دو، اور تاکہ وہ غور کریں۔

---

[1] مثال کے طور پر البقرہ - (۲:۱۵۱)
[2] الرسالہ مطبوعہ، قاہرہ، ص ۱۲۸
[3] النّحل - (۱۰ : ۴۴)

اور اگر اس آیت مبارکہ کو سورہ القیامہ کی آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ [1] (پھر ہمارے ہی ذمّہ ہے اس کی تشریح کرنا) سے ملا کر پڑھا جائے، تو اس مضمون کی پختگی اور قطعیت مزید آشکار ہو جاتی ہے، اس لیے صحابہ کرام تابعین، ائمہ فقہ اور اکابر اُمّت نے قرآن فہمی کے لیے ہمیشہ سُنّت ہی کو مقدم رکھا۔ مشہور صحابی حضرت حسان بن عطیہؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

كان الوحي ينزل على رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ويحضرهٔ جبرئيل بالسنة التي تفسر ذالك [2]	نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہوتی تو جبرئیل علیہ السّلام آنحضرتؐ کے پاس سُنّت (کا علم) لے کر آئے جس کے ذریعے آپ وحی ربّانی کی تفسیر بیان فرماتے۔

اس طرح حضرت عمران بن حصینؓ نے ایک سائل کو جواب دیا تھا۔

”کیا تم نادان ہو، کیا تمہیں کتاب اللہ میں یہ حکم ملتا ہے کہ ظہر کی رکعات چار ہیں، جن میں قرأت بالجہر نہ ہو گی۔ [3]

”مشہور تابعی حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے ایک صاحب نے کہا کہ آپ ہم سے فقط قرآن کی بات کیا کریں، اس پر اُنھوں نے فرمایا:

بخدا ہم بھی قرآن کے سوا کوئی اور چیز پیشِ نظر نہیں رکھتے، البتّہ ہم قرآنِ مجید کی اس تفسیر کو جانتے ہیں، جو اس شخص نے بیان کی جو ہم سے زیادہ قرآن کا عالم تھا۔“ [4]

امام شافعیؒ نے اپنی ”کتاب الامّ“ میں اپنا یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے، کہ:

”ایک دفعہ ایک منکرِ سُنّت ملا، اور غلطی سے میں (امام صاحب) بھی اس کا ہم خیال ہو گیا، مگر جلد ہی اس کی غلطی مجھ پر واضح ہو گئی، کیونکہ اس طرح تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نے تھوڑی سی نماز پڑھ لی، اور تھوڑی سی زکوٰۃ دے دی۔ وہ فرض سے عہدہ برآء ہو گیا۔ [5]

سُنّت نبوی کی اسی اہمیّت کے پیشِ نظر فقہائے اربعہ اور ان کے ہزارہا شاگردوں نے قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اہمیّت ”سُنّت“ نبوی ہی کو دی ہے۔ اکثر ائمہ سے ایسے اقوال مروی

---

[1] القیامہ (۷۵:۹) [2] ابن عبدالبر: جامع بیان العلم، ۲: ۱۹۱

[3] جامع بیان العلم، ۲: ۱۹۱ [4] ایضاً [5] کتاب الام، ۷: ۲۵۲ (باقی صفحہ ۳۸ پر)

کثرتِ انواع اور حقیقتِ واحدہ

کثرتِ انواع

سب ہی انساں ہیں صورت نہیں یکساں ہوتی
خُلق یکساں نہیں فطرت نہیں یکساں سوتی
محتسب ہے کوئی قاضی ہے کوئی منصف ہے
اہلِ منصب میں لیاقت نہیں یکساں ہوتی
وہ ہو لالہ کہ چنبیلی وہ ہو چنبہ کہ گلاب
پھول تو سب ہیں لطافت نہیں یکساں ہوتی
ملنے والے یہ بہم بہرِ سکونِ خاطر!!
دوست تو سب ہیں محبّت نہیں یکساں ہوتی
کوئی حاسد کوئی کج فہم ہے کوئی نادان
دشمنوں سے بھی عداوت نہیں یکساں ہوتی
کوئی جاہل کوئی اَجہُلُ ہے ابوجہل کوئی
جاہلوں میں بھی جہالت نہیں یکساں ہوتی
کوئی ناداں، کوئی کم عقل ہے کوئی بے عقل
اَحمقوں میں بھی حماقت نہیں یکساں ہوتی
ہاں رزالوں میں بھی ارزل ہے کوئی، کوئی رزیل
سب رزیلوں میں رزالت نہیں یکساں ہوتی
عقل سَب رکھتے ہیں ہر مسئلے میں سوچتے ہیں
باوجود اس کے فراست نہیں یکساں ہوتی
مختلف ہوتے ہیں ملکوں کے مزاج اور موسم
حکمرانوں کی سیاست نہیں یکساں ہوتی
سردیوں میں بھی بُرُودَتُ کبھی کم ہے کبھی بیش
گرمیوں میں بھی حرارت نہیں یکساں ہوتی
مختلف خِطّوں میں ہیں مختلف آداب ورسوم
سب مذاہب میں عبادت نہیں یکساں ہوتی
شیخ کے ساتھ اگرچہ ہے مریدوں کا ہجوم
شیخ سے سب کی اِرادت نہیں یکساں ہوتی
فنّ ابلاغ تو سب سیکھ کے آتے ہیں مگر
ہر مبلّغ میں بلاغت نہیں یکساں ہوتی
کوئی گھر میں ہے معزز کوئی دُنیا بھر میں
اہلِ عزّت کی بھی عزّت نہیں یکساں ہوتی

مفلسی میں بھی مساوی نہیں ہوتے مفلس
اور امیروں میں بھی دولت نہیں یکساں ہوتی
مَیں نے دیکھے ہیں شریفوں کے بھی انداز و مزاج
سب شریفوں میں شرافت نہیں یکساں ہوتی
مَیں نے دیکھے ہیں بہت ناز و نزاکت والے
سب حسینوں میں نزاکت نہیں یکساں ہوتی
وہ ہو رانجھا کہ مہینوال وہ وامق ہو کہ قیس
عشق ہے ایک، حکایت نہیں یکساں ہوتی
ایک ہی گھر میں جو اِک باپ کے دس بیٹے ہوں
باپ اِک ہوتا ہے، قسمت نہیں یکساں ہوتی
جنگ جب ہو گی تو اِک جیتے گا اِک ہارے گا
پس یہ ظاہر ہُوا طاقت نہیں یکساں ہوتی
موت ہر عمر کے انسان کو آ جاتی ہے
زندگی کرنے کی مُدّت نہیں یکساں ہوتی
دونوں اُڑتے ہیں فضا میں یہ حقیقت ہے مگر
زاغ اور باز میں ہمّت نہیں یکساں ہوتی
ایک عالَم میں ہَیں آباد ہزاروں عالَم
کیسے سَب سمجھیں بصیرت نہیں یکساں ہوتی
دم بھی ہم لے نہ سکیں رحمتِ یزداں کے بغیر
پھر بھی ہر شخص پہ رحمت نہیں یکساں ہوتی

○

حقیقتِ واحدہ

جِنّ و انسان و مَلک ارض و سما، قلزم و کوہ
سَب میں اُس ایک کی قدرت نہیں یکساں ہوتی؟
قوّتِ برق ہے اِک اور ہزاروں ہیں "کلیں"
سَب میں حرکت ہے یہ حرکت نہیں یکساں ہوتی
جسم میں کتنے ہی اعضا، ہیں مگر رُوح ہے ایک
اور ہر عضو کی عادت نہیں یکساں ہوتی
مختلف جلوے حقیقت کا ہی پَرتو ہیں امینؔ
کون کہتا ہے حقیقت نہیں یکساں ہوتی
جیسے خورشید ہے اِک اُسکی حرارت ہمہ گیر
یُونہی انواع کی کثرت میں ہے وحدت ہمہ گیر

○

سید امینؔ گیلانی

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

گزشتہ شمارے میں یہ بات ذکر کی گئی تھی کہ مدارِ نجات اللہ کی رحمت ہے نہ کہ اعمال جس کی بھی مغفرت ہوگی، اللہ کی رحمت کے سبب ہوگی نہ کہ اعمال کے سبب، اس سلسلہ میں چند واقعات ذکر کیے گئے تھے۔ مضمون کی مناسبت سے اس شمارے میں بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے، یہ واقعہ حضرت قاری طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ذکر کیا ہے، اُنہیں کی زبانی سُنیے۔

بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد کا عجیب واقعہ

فرماتے ہیں: "حدیث میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد شخص کا اور یہ حدیث علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ نے نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد و زاہد شخص تھا۔ رات دن اللہ کی عبادت کرتا تھا چونکہ صاحبِ عیال تھا اس لیے کمانے کا بھی کچھ دھندا تھا۔ دکان کی صُورت میں تھوڑی سی تجارت تھی مگر اس کا دل اس سے اُلجھا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ نہ ہو۔ بس ہر وقت عبادت ہی میں لگا رہوں، مگر سوچتا کہ بیوی بچّوں کا کیا کرے بہرحال ایک دن اُسے جذبہ آیا اور ساری تجارت و دولت کو اس نے بیوی اور بچّوں کے نام کیا اور خود فارغ ہوگیا اور سب سے رُخصت ہوکر سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا وہاں ایک ٹیلہ تھا اس میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی باندھی کہ اَب ہر وقت اس میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں گا۔ ان مذاہب میں رہبانیت جائز تھی یعنی ساری دُنیا کو آدمی چھوڑ چھاڑ کر ایک کونے میں جا بیٹھے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ یہ شخص اپنے مذہب کے مطابق جاکر بیٹھ گیا۔ گویا اُس نے بڑی بھاری عبادت کی چونکہ مخلص تھا اور صاحبِ دل تھا اس لیے اس سمندر کے بیچ والے ٹیلے

پر جہاں نہ کوئی جہاز آسکے اور نہ کوئی کشتی وغیرہ جاسکے حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے وہاں ایک میٹھا چشمہ جاری کر دیا اور اسی پہاڑی پر ایک انار کا درخت اُگا دیا، اس عابد کا کام یہ تھا کہ روزانہ ایک انار کھا لیا اور ایک کٹورہ پانی پی لیا اور چوبیس گھنٹے عبادت میں مصروف رات اور دن اسی طرح سے اس کی عمر پانچ سو برس کی عمر ہوئی اور یہ پانچ سو برس اسی شان سے گزرے اَب اس کے انتقال کا وقت آیا اُس نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ یہ تیرا فضل تھا کہ تو نے مجھے عبادت میں لگایا اَب میری خواہش ہے کہ مجھے سجدے کی حالت میں موت دیجیے تاکہ میرا خاتمہ عبادت کے اُوپر ہو اور دوسری درخواست یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں میرے بدن کو قیامت تک محفوظ رکھیے، نہ زمین کھائے اور نہ کیڑے مکوڑے کھائیں تاکہ قیامت تک مَیں تیرا عبادت گزار بندہ ہی سمجھا جاؤں، حق تعالیٰ نے اُس کی دونوں دُعائیں قبول فرمائیں۔ عین نماز کے اندر سجدے کی حالت میں انتقال ہُوا اور اس کا بدن محفوظ ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ آج تک محفوظ ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس ٹیلے کے اُوپر بڑے بڑے گنجان درخت ایسے اُگا دیے ہیں کہ وہاں تک جاتے ہُوئے ہیبت کھاتے ہیں اس لیے وہاں کوئی نہیں جاتا ہے، مگر بدن آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ وہاں نہ کوئی جانور جاتا ہے اور نہ کوئی انسان جاتا ہے۔ اسی حالت میں حق تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے بندے مَیں نے اپنے فضل وکرم سے تجھے بخشا اور تجھے بڑے مقامات دیے جنت میں جاکر آرام کر، وہ بندہ عرض کرے گا کہ اے اللہ مَیں نے تو ساری عمر تیری عبادت میں گزاری پھر بھی تیرے فضل سے جنّت میں جاؤں گا مَیں تو اپنی عبادت کے بدلے جنّت میں جا رہا ہُوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ نہیں ہم اپنے فضل سے جنّت میں بھیج رہے ہیں وہ پھر کہے گا کہ نہیں اے اللہ پھر میری عبادت کس کام آئے گی مَیں تو اپنی عبادت کے بدلے جنّت میں جا رہا ہوں تو حکم ہوگا کہ اسے جہنّم کے قریب لے جاکر کھڑا کر دو۔ جہنّم میں داخل نہ کرنا اسے اتنی دُور رکھو کہ جہنّم کا راستہ وہاں سے پانچ سو برس کا ہو۔ ملائکہ اسے لے جائیں گے اور لے جاکر کھڑا کر دیں گے۔ جہنّم کی طرف سے ایک گرم ہَوا اور آگ کی لپٹ آئے گی اس کی وجہ سے وہ سَر سے پاؤں تک خشک ہو جائے گا اور اُس کی زبان پر کانٹے کھڑے ہو جائیں گے اور پیاس پیاس چلانا شروع کرے گا اس وقت غیبی ہاتھ ظاہر ہوگا جس میں

ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورہ ہوگا۔ یہ عابد دوڑے گا کہ اے خُدا کے بندے یہ پانی مجھے دے دے مَیں بالکل مرنے کے حال میں ہوں۔

آواز آئے گی کہ کٹورہ تو ملے گا پانی کا مگر اس کی قیمت ہے مفت نہیں ملے گا۔ وہ پُوچھے گا کہ اس کی کیا قیمت ہے۔ کہا جائے گا کہ جس نے خالص پانچ سو برس کی عبادت کی ہو وہ اگر کوئی پیش کرے تو یہ کٹورہ پانی کا اسے مل سکتا ہے۔ عابد کہے گا کہ میرے پاس ہے پانچ سو برس کی عبادت۔ وہ اس عبادت کو پیش کر دے گا اور وہ کٹورہ لے کر پانی پی لے گا تو کچھ جان میں جان آجائے گی حق تعالیٰ کہیں گے کہ اسے واپس لاؤ، پھر اُس کی پیشی ہوگی حق تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ اے بندہ تیری پانچ سو برس کی عبادت کے صِلے میں تو ہم آزاد ہوگئے پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے ایک کٹورہ پانی لے لیا اور یہ قیمت تو نے خود تجویز کی لہٰذا اَب تو برابر سرابر ہوگیا۔ اَب ہمارے ذمّے کچھ نہیں تجھے تیری عبادت کا صلہ مل گیا۔ اَب وہ جو تم نے لاکھوں دانے انار کے کھائے ہیں ایک ایک دانے کا حساب دے دے اس کے بدلے میں کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ کتنے سجدے کیے ہیں اور وہ جو ہزاروں کٹورے پانی کے پیئے ہیں۔ ایک ایک قطرے کا حساب دے دے اس پانی کے بدلے کتنی عبادتیں کی ہیں اور وہ جو ٹھنڈا سانس لیتا تھا جس سے زندگی قائم تھی ایک ایک سانس کا حساب دے دے کہ اس کے بدلے میں کیا عبادتیں لے کر آیا ہے اور وہ جو تیری آنکھوں میں ہم نے روشنی دی تھی اور تا حدِ نگاہ سے ایک ایک چیز کو دیکھتا تھا ایک ایک تارِ نگاہ کا حساب دے دے کہ اس کے بدلے میں کتنی عبادتیں لے کر آیا ہے پانچ سو برس کی عبادت کا بدلہ تو ایک کٹورہ پانی ہوگیا۔ اب جو دوسری نعمتیں استعمال کی ہیں ان کا حساب دے دے یہ عابد تھرّا جاوے گا اور کہے گا کہ بیشک لے اللہ نجات آپ ہی کے فضل سے ہوگی کسی کا عمل کسی کو نجات نہیں دلائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لاکھوں برس عبادت کرے گا تو وہ بھی ذریعۂ نجات نہیں بن سکے گی جب تک کہ فضلِ خداوندی نہ ہو اس لیے کہ وہ جو عبادت کرے گا اس کی طاقت کون دے گا۔ ظاہر بات ہے وہ طاقت بھی وہی دے گا اور طاقت آنے کے بعد جو ارادہ دل میں ہوگا وہ ارادہ کون پیدا کرے گا، وہ بھی وہی پیدا کرے گا، پھر توفیق کون دے گا؟ وہ بھی وہی دے گا، پھر آپ نے کیا کیا؟ سب کچھ تو اُنھوں نے کرایا۔ ارادہ اُنھوں نے دیا

طاقت اُنھوں نے دی۔ توفیق اُنھوں نے دی آپ نے صرف چار سجدے کر لیے تو کیا کمال کیا اور ان سجدوں میں بھی آپ نے جو حرکت کی بدنی طاقت سے، وہ طاقت بھی آپ کی ذاتی نہیں تھی، وہ بھی ان ہی کی دی ہُوئی تھی تو اوّل سے لے کر آخر تک کام تو سارا اُن کا ہے اور کہنے لگیں آپ کہ میں نے کیا اور پھر آدمی اس پر فخر کرے فضول ہے۔ بلکہ موقعہ شُکر کا ہے کہ تمام نعمتیں اس نے اپنے فضل سے دے دی ہیں[1]

---

[1] منتخب تقاریر فضائلِ تقویٰ ص ۳۱

بقیہ: سُنّتِ نبوی

ہیں کہ اگر ہمارے کسی قول (مسلک) کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث مل جائے تو ہمارے مسلک کو چھوڑ کر سُنّتِ نبوی ہی پر عمل کیا جائے۔ مثال کے طور پر امام ابوحنیفہ رح کا قول ہے:

إِذَا جَاءَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى الله	جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمارے سامنے
عليه وسلّم فَعَلَى الرَّأْسِ	کوئی حدیث آتی ہے، تو ہمارے سر آنکھوں پر،
وَالعَيْنِ وَإِذَا جَاءَ مِنْ أَصْحَابِ	جب صحابہ کرام رض کا کوئی قول آتا ہے، تو ہم ان میں
النَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وسلّم	سے کسی کا انتخاب کر لیتے ہیں اور جب کسی تابعی
نَخْتَارُ مِنْ قولهم وَإِذَا	کا قول آتا ہے تو ہم اس کے مقابلے میں قیاس سے
جَاءَ مِنَ التابعين	کام لیتے ہیں۔ (کیونکہ امام صاحب خود بھی
زَاحَمْنَاهُمْ[1]	تابعی تھے۔)

اس پس منظر میں فقہا کے قول السنة قاضية على القرآن[2] (سُنّت قرآنِ مجید پر حاکم ہے۔) کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ "سُنّت" قرآن سے برتر (Superior) بلکہ اس کا مفہوم ہے۔ کہ قرآن کی تشریح و تفسیر کے معاملے میں سُنّت کا مقام سب سے مقدم ہے، قرآنی حکم کی تشریح کے لیے سُنّتِ نبویہ فیصلہ کُن حیثیّت رکھتی ہے، اس بارے میں سُنّت کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا اور اُس کے مقابلے میں کسی اعلیٰ و ادنیٰ کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اس مقولے کو اس بات پر محمول کرنا کہ سُنّت کا مقام قرآن سے برتر ہے، بجائے خود اپنی نادانی و کم علمی کا اعتراف ہے۔

(جاری ہے)

---

[1] تفسیر مظہری، ۲/۱: ۶۴

[2] سنن دارمی۔

خلفِ احمر کا بیان ہے کہ امام احمدؒ میرے پاس ابو عوانہ کی مرویات سُننے کے لیے آئے، مَیں نے بہت کوشش کی کہ ان کو بلند جگہ پر بٹھاؤں، مگر اُنھوں نے فرمایا کہ مَیں تو آپ کے سامنے ہی (شاگردوں کی جگہ پر) بیٹھوں گا، ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم جس سے علم حاصل کریں اس کے لیے تواضع کریں۔

حمادؒ بن سلیمان کی ہمشیرہ عاتکہ کہتی ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے۔ ہمارا دُودھ اور ترکاری خریدتے تھے اور اسی طرح کے اور بہت سے کام کرتے تھے اس واقعہ کو نقل کر کے علاّمہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ طالب علمی میں اسلاف اس طرح خدمت گزاری کرتے تھے اور اسی سے اُنھوں نے علم کی برکت پائی۔

امام ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ مَیں کبھی کسی محدّث کے دروازہ پر حاضر ہُوا تو اطلاع بھجوا کر داخلہ کی اجازت نہیں منگائی، بلکہ بیٹھا انتظار کرتا رہا تاآنکہ وہ خود برآمد ہُوئے۔ مَیں نے ہمیشہ قرآنِ پاک کی اس آیت سے جو ادب مستفاد ہوتا ہے اس پر نظر رکھّی۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یعنی کاش وہ لوگ صبر کرتے تاآنکہ آپ باہر نکلتے، تو اُن کے لیے بہتر ہوتا۔ (آدابِ شرعیہ)

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے تھے کہ بُخارا کے ایک بہت بڑے امام اپنے حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے، مگر اثناءِ درس میں کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا، تو فرمایا کہ میرے اُستاد کا لڑکا گلی میں بچّوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، کھیلتے کھیلتے وہ کبھی مسجد کے دروازے کے پاس بھی آجاتا ہے، تو مَیں اُس کے لیے بقصدِ تعظیم کھڑا ہو جاتا ہُوں۔ (تعلیم المتعلم)

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے لڑکے کو علم و ادب کی تعلیم کے لیے امام اصمعیؒ کے سُپرد کر دیا تھا۔ ایک دن اتفاقاً ہارون وہاں جا پہنچے۔ دیکھا کہ اصمعیؒ اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون نے بڑی برہمی سے فرمایا کہ مَیں نے تو اُس کو آپ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ اس کو ادب سکھائیں گے۔ آپ نے شاہزادہ کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی گرائے، اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پیر دھوئے۔

تو یہ جو "قربانی" ہے اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک رُوح۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اس کی حقیقت ایثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ تقرب الی اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ رُوح بغیر جانور کو ذبح کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ ہر صُورت میں اس کے مطابق رُوح ڈالی جاتی ہے۔ نماز میں نماز کی روح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی رُوح اور قربانی میں قربانی کی روح ڈالی جاتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے اس کی جو صُورت مقرر کر دی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی، تب وہ رُوح اس میں ڈالی جائے گی۔ اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا	یعنی تم خیر کامل کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک
مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔	کہ اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو گے۔

اور محبوب چیز مال ہوتا ہے، مال سے بھی زیادہ جانور عزیز ہوتا ہے کیونکہ جاندار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبّت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسری گھڑ کر بنا سکتا ہے بخلاف جاندار کے اگر فنا ہو گیا تو دوسرا نہیں ملتا اور یہ مال تو ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہُوا ہے تو وہ بیکار ہے اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کو خرچ نہ کر لے تو جب دینوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتے تو "رضائے حق" جو اعلیٰ ترین نفع ہے وہ کیسے بغیر محبوبات کی قربانی کے حاصل ہو سکتی ہے؟ اور محبوبات کیا ہیں؟ جان و مال اولاد و آبرو اور غیرت وغیرہ۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کی
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ	جانوں اور مال کو جنّت کے بدلہ
لَهُمُ الْجَنَّةَ	میں خرید لیا۔

غرض ان میں سے آپ کو ہر چیز لٹانی ہوگی، تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔ درحقیقت جنّت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ جیسے سونا اگر خریدا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھس کر دیکھا جاتا ہے اگر کھرا ہے تو اُس کی قیمت ادا کرتے ہیں

ورنہ نہیں تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے ان لکیروں کی نہیں ہوتی جو کسوٹی پر چڑھ جاتی ہیں۔

بس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض میں ایمان کی قیمت ادا کرنی ہوگی اور ہمارے یہ اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہیں اس لیے جنّت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں محبوباتِ نفس کو قربان کرنا لازمی ہے اگر جان خرچ کرنے کا حکم ہو تو جان نثار کرو۔ عزّت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو، یہی عشق کی پُختگی کی علامت ہے۔

ایک صحابی حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ "یارسُول اللہ! مجھے آپ سے محبّت ہے۔" آپؐ نے فرمایا کہ "سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟"

اُنہوں نے پھر یہی عرض کیا۔ "مجھے آپؐ سے محبّت ہے۔" اور آپ نے پھر وہی فرمایا کہ "سوچ کر کہو کیا کہتے ہو۔"

اُنہوں نے تیسری بار پھر عرض کیا۔ "مجھے آپ سے محبّت ہے۔" تو آپ نے فرمایا کہ "تیّار ہو جاؤ مصیبتیں جھیلنے کے لیے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے اور آفتیں سہنے کو۔"

اور ظاہر بات ہے کہ عاشق اپنی محبّت کا ثبوت اُس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک مصیبتیں نہ جھیلے اس لیے ارشاد ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ۔ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ۔

یعنی کیا لوگوں کا خیال ہے کہ محض اتنا کہنے سے چھٹکارا ہو جائیگا کہ ہم ایمان لائے اور اُن کی آزمائش نہ ہوگی۔ حالانکہ ہم نے آزمایا ان سے پہلے لوگوں کو پس ضرور معلوم کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو اور ضرور معلوم کرلے گا جھوٹوں کو۔

غرض اصل بیان یہ تھا کہ جس طرح اعمال کی رُوح ضروری ہے اسی طرح اُن کی صورت بھی مطلوب ہے اس لیے کہ دُنیا میں صُورت اصل ہے اور رُوح اس کے تابع۔

تو اَب یہ بات واضح ہوگئی کہ دُنیا میں جس طرح ہر چیز کی بقاء کے لیے صُورت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اعمالِ شرعیہ کی روح کی بقا کے لیے اُن کے جسم اور صُورت کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص کہے کہ اعمال میں اصل تو رُوح ہے۔ اس لیے روح کو لے لو اور صُورت کو چھوڑ دو

تو اس کو چاہیے کہ یہ عمل اپنے اُوپر جاری کرے، پہلے اپنے بدن کو ختم کر دے اور خودکشی کر لے کہ بس میں تو اپنی رُوح کو باقی رکھوں گا۔ ورنہ اگر خود بغیر صورت کے نہیں رہ سکتے تو پھر اعمال شرعیہ میں آخر کیوں یہ عمل جراحی کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ شروع میں معلوم ہو چکا ہے کہ کائنات میں جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ رُوح ہے، اسی طرح ہر ہر چیز کی علیٰحدہ علیٰحدہ رُوح بھی ہے۔ جیسے آنکھ میں قوّتِ بینائی اس کی رُوح ہے وغیرہ اسی طرح سارے مجموعہ اعمال کی رُوح ہے اور پھر ہر ہر عمل کی علیٰحدہ علیٰحدہ روح ہے اور اس رُوح کا نام "تقویٰ" ہے۔ چنانچہ قربانی کے متعلّق ارشاد ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔	یعنی خدا تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا ولیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

تو قربانی کی رُوح بھی تقویٰ ہے

سو اگر کوئی یہ کہے کہ جب قربانی سے تقویٰ مقصود ہے تو پھر قربانی کی کیا ضرورت ہے بلکہ تقویٰ اختیار کر لو۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پھر سارے اسلام کو چھوڑ کر بس تقویٰ ہی اختیار کر لو، کیونکہ روزہ کے متعلّق ارشاد ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔	تو روزہ کا حاصل بھی تقویٰ ہی ہے۔

نماز کے متعلّق ارشاد ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔	یعنی نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

پھر ارشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے اور قیامت کے
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	دن پر اور فرشتوں پر اور کُتب پر اور پیغمبروں
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى	پر اور مال دیتا ہو اللہ کی راہ میں رشتہ داروں کو
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ	اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں اور سوال
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ	کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے والوں کو جو نماز
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ	جو اشخاص اپنے عہدوں کو پُورا کرنے والے ہوں
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ	جب عہد کریں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	تنگدستی میں بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے
الْمُتَّقُوْنَ۔	ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

لیجیے سارے اسلام کا حاصل تقویٰ نکلا اس لیے سب کو چھوڑ کر تقویٰ اختیار کر لیجیے لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ جس طرح ہر ہر جزو کی روح علیحدہ ہے اسی طرح ہر عبادت کا تقویٰ جُداگانہ ہے تو جو تقویٰ گوشت پوست کے ذریعہ پہنچتا ہے اور حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسری عبادت سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے مثلاً زید کی رُوح کو گدھے کے قالب میں اگر منتقل کر دیا جائے تب بھی وہ زید نہ بنے گا بلکہ گدھا ہی رہے گا۔ اسی طرح صدقہ صدقہ ہی رہے گا۔ قربانی کا قائم مقام اسے کیسے کیا جا سکتا ہے تو دُنیا میں تو بغیر صورت کے چارہ نہیں، اس لیے قربانی کرنی ہی پڑے گی۔ ہاں آخرت میں پہنچ کر آپ قربانی نہ کریں کیونکہ صورت ضروری نہیں، لیکن دنیا میں اگر آپ نے اعمال کی صُورت کو ترک کر دیا تو یقین رکھیے کہ آپ نے اس کی رُوح کو بھی فنا کر دیا۔ اسی لیے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَّوْمَ النَّحْرِ	یعنی بقرعید کے روز سب سے زیادہ محبوب
اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ	قربانی ہے۔

تو اس روز سوائے اس عمل کے دوسرا عمل کیسے اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کی:

یا رسول اللہ ما ھٰذہِ الْاَضَاحِیْ   یعنی یہ قربانیاں کیا چیز ہیں ؟
آپؐ نے ارشاد فرمایا
سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ   یعنی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السّلام کی سُنّت ہے۔
صحابہ نے استفسار کیا
فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔   یعنی یارسُول اللہ اس سے ہمارا کیا فائدہ ہے؟
آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ
بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ   یعنی قربانی کے ہر بال پر نیکی ملے گی۔

قربانی کی حقیقت

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا، مگر خُدا تعالیٰ کی رحمت دیکھیے کہ ان کو یہ گوارا نہ ہُوا۔ اس لیے حکم دیا کہ تم جانور کو ذبح کرو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے اپنے آپ کو قربان کر دیا، چنانچہ حضرت ابراہیم کو خدا تعالیٰ نے خواب کے ذریعے بشارت دی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی قربانی پیش کریں۔ اَب دیکھیے یہ حکم اوّل تو اولاد کے بارے میں دیا گیا اور اولاد بھی کیسی۔ اور فرزند بھی ناخلف نہیں بلکہ نبیٔ معصوم ایسے بچّہ کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا آسان ہے مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت اور مشکل کام ہے، مگر حُکمِ خداوندی تھا۔ اس لیے آپ نے بیٹے کی محبّت کو پسِ پشت ڈالا اور حُکمِ خداوندی کے آگے سر جُھکا دیا، اور حضرت اسمٰعیل کو لے کر منٰی کے مَنحَر میں تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کہ بیٹا مجھے خدا تعالیٰ نے حُکم دیا ہے کہ مَیں تجھ کو ذبح کر دُوں تو حضرت اسمٰعیل نے فوراً فرمایا اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ یعنی جو آپ کو حکم ہوا، وہ ضرور کیجیے۔ اگر میری جان انہیں چاہیے تو ایک جان کیا ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے رسیوں سے اُن کے ہاتھ پاؤں باندھے، چھری تیز کی۔ اب بیٹا خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہو رہا ہوں ادھر باپ خوش ہے کہ مَیں اپنی قربانی پیش کر رہا ہُوں، چنانچہ حُکمِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چُھری چلائی تو چُھری کند ہوگئی اور اس وقت حکم ہُوا۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ

یعنی بیشک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔

اور اَب، ہم اس کے عوض جنّت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرّر کرتے ہیں، چنانچہ اُسی دن سے گائے، مینڈھا یا بکری وغیرہ قربانی کے لیے فدیہ" مقرّر ہوگیا اس واقعہ سے معلوم ہُوا کہ ذبیحہ کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے، چنانچہ اس سے انسان میں جان سپاری اور جان نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی اس کی رُوح ہے تو یہ رُوح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی، کیونکہ قربانی کی رُوح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی رُوح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن مقرّر نہیں، مگر اس کے لیے ایک خاص دن مقرّر کیا گیا اور اس کا نام "یوم النحر" یعنی عید الاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا۔ جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلّق ہے۔ تو یہ سلفاً خلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی انبیاء کا بھی اور اُمّت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ ائمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے یہ اور بات ہے کہ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ ان سب کے یہاں قربانی سُنّت ہے اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک واجب ہے۔ اس حکم میں اختلاف اور ائمہ کے دقائق ہیں، مگر قربانی میں سب متفق ہیں اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جائیں چنانچہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ، ہم کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہدایت فرمائی: اَنْ نَّسْتَشْرِفَ الْعَیْنَ وَ الْاُذُنَ یعنی ہم قربانی کی آنکھ اور کان دیکھ بھال کر لیا کریں۔ وَاَنْ لَّا نُضَحِّیَ بِمُقَابَلَةٍ وَّلَا مُدَابَرَةٍ وَّلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ ہم نہ قربانی کریں ایسے جانور کی جس کا کان آگے سے کٹا ہُوا ہو اور پیچھے سے کٹا ہُوا ہو اور نہ چرا ہُوا ہو اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو۔

اور اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جداگانہ ہیں اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے پھر ساری اُمّت آج تک بلا اختلاف اس عمل کو کرتی چلی آئی اور تعامل سب سے بڑی دلیل ہے۔

دارالافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال : ہم لوگ دبئی میں شیخوں کے ہاں کام کرتے ہیں ہر چیز مہیا ہے۔ ساڑھے نو سو درہم تنخواہ ہے رہنے کی جگہ، خریدنے کی کچھ ضرورت نہیں، سامان کھانے اور استعمال کے لیے ملتا ہے مگر ہم لوگ جو بچتا ہے وہ بیچ دیتے ہیں، اُن کو معلوم ہو تو اچھا نہ سمجھیں مگر ہم لوگ غریب ہیں انڈیا سے آئے ہوئے اور پاکستانی بھائی بھی گھی، صابن، تیل، چاول، گوشت چائے کی پتی، دُودھ فروٹ مُرغی آٹا ڈیٹول بف باف نل کا پانی پی کر پانی کی بوتلیں وغیرہ سب فروخت کر دیتے ہیں تفصیل طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ حرام تو نہیں ہے اور کچھ لوگ ہم ہی میں کے ایک دو جو شیخوں ہی کے نوکر ہیں ایجنٹی بھی کرتے ہیں ہم لوگوں سے سستا خرید کر بازار میں تھوڑا مہنگا بیچ ڈالتے ہیں۔ اور سب کی نوکریاں بھی ہیں، تفصیل طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ سب اسلام میں جائز ہے کہ ناجائز ہے ویسے ہم لوگ یہاں پر حرام ہی سمجھ کر کرتے ہیں مگر عادت ہوگئی ہے تھوڑا پیسہ مل جاتا ہے مہربانی فرما کر دلیل کی روشنی میں جواب سے نوازیں عنایت ہوگی۔

جواب : اگر مالکان وہ اشیاء صرف ضرورت کے لیے استعمال کرنے اور کھانے کے لیے دیتے ہیں اور باقی جو بچے وہ اُن ہی مالکان کی ملکیت ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ پھر ان بچی ہوئی اشیاء کو یا ان اشیاء کو بچا کر فروخت کرنا جائز نہیں اور وہ حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہوئی۔

اور اگر مالکان ان استعمال کی اشیاء کا اپنے ملازم کو مالک بنا دیتے ہیں کہ وہ جتنا چاہے استعمال کرے اور باقی کا جو چاہے کرے تو فقط اس صورت میں باقی کو بیچ کر ملازم اس کی قیمت اپنے پاس

رکھ سکتا ہے، اگر پہلی صُورت ہے تو پھر غربت اور عادت حرام کھانے اور کمانے کے لیے اسباب اور وجہ جواز نہیں بن سکتے۔ آخرت کی فکر کو مقدم رکھیں اور دُنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کو نہ بھولیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: قرآن و سُنّت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ ٹیلی ویژن دیکھنا کہاں تک جائز ہے، جبکہ اس میں بہت سے تعمیری اور اصلاحی پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ جن میں ڈرامے بھی شامل ہیں۔ زیادہ تر ڈرامے سبق آموز اور مقصدی ہوتے ہیں جن میں معاشرے کی اچھائیوں اور بُرائیوں کو اُجاگر کیا جاتا ہے اور بعض اوقات آدمی اتنا متأثر ہوتا ہے کہ اچھائیوں کو اپنا کر نیکی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے

دوسری طرف قرآن کی رو سے عورت کے لیے نامحرموں سے پردہ ہے اور جبکہ ڈراموں میں اس حُکم کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی ہے ظاہر ہے کہ جب ایک عورت نامحرموں کے سامنے بے پردہ ڈراموں میں کام کرتی ہے۔ اس کا ایسا کرنا گناہ ہے اور پھر تو اس کا دیکھنا بھی گناہ ہوا۔ تو کیا ہم تعمیری، اصلاحی، مقصدی، تعلیمی تمام پروگرام محض اس لیے چھوڑ دیں کہ ایک عورت نامحرموں کے سامنے بے پردہ کام کرتی ہے، یا پھر ہم اُنہیں بدستور دیکھتے رہیں اور اُن سے اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا سیکھیں۔

آپ مجھے حتمی طور پر قرآن اور سُنّت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ ہمیں ڈرامے وغیرہ دیکھنے چاہئیں یا نہیں، یا پھر صرف اسلامی پروگرام یعنی تفہیمِ دین، دینِ رحمت اور فہم القرآن جیسے پروگرام دیکھ سکتے ہیں۔

جواب: ٹیلی ویژن کی جو موجودہ صورتِ حال ہے اس میں دیکھنا جائز نہیں۔ صحیح ہو گا کہ اس میں کچھ اصلاحی اور تعمیری پروگرام دکھائے جاتے ہیں، لیکن اس بات سے تو اختلاف نہ ہو گا کہ اس میں مفاسد اور بُرائیاں بھلائیوں کی نسبت زیادہ ہیں اثمھا اکبر من نفعھما۔ اور یہ قرآن ہی سے سبق ملتا ہے کہ نفع کے مقابلے میں مفاسد اور خرابیوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔ نفع تو اور جائز طریقوں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، ٹیلی ویژن کی خرابیوں میں صرف بے حجابی ہی نہیں ساز و باجا بھی ہے تصویر سازی بھی ہے اور اُن کے علاوہ گانا بے حیائی اور حیا سوز مناظر اور فحاشی بھی ہے۔

اصلاح کی غرض سے اہلِ حق باعمل اور متدین علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ صحابہ کرام اور دیگر اکابرینِ اُمّت کے احوال پڑھیں، موقع مل جائے تو صحیح عقیدہ علماء کا کوئی وعظ و بیان سُن لیں، فضائل اعمال اور فضائل صدقات (مولانا زکریا رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی) کتابیں تو ہر جگہ میّسر ہیں۔

یہ بات ضرور مدنظر رہے کہ اصلاح کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے اس کا بھی شرعی حدود کا پابند ہونا نہایت ضروری ہے۔

سوال: بچّے ہر قسم کے کھلونوں سے بہت شوق سے کھیلتے ہیں جن میں مختلف قسم کی گیمز اور وڈیو گیمز وغیرہ کمپیوٹر وغیرہ شامل ہیں۔ ظاہر ہے ان سے کھیلنا تو کوئی گناہ نہیں، لیکن ایسے کھلونے جو جانوروں کی شکل کے ہوتے ہیں اور لڑکیاں جو گڑیوں سے کھیلتی ہیں اِنہیں گھر میں رکھنا چاہیے یا نہیں۔ آج کل زیادہ تر ایسے کھلونوں کی بھرمار ہے۔

آپ مجھے قرآن و سُنّت کی روشنی میں بتائیے کہ ان کھلونوں کا گھر میں رکھنا اور بچّوں کو اُن سے کھیلنے دینا کہاں تک جائز ہے۔

جواب: ایسے کھلونوں سے کھیلنا اور اُن کو اپنے پاس گھر میں رکھنا جائز نہیں ہے جو جانداروں کی شکل کے ہُوں خواہ انسانی شکل کے ہوں یا حیوان کی شکل کے ہوں۔

سوال: گورنمنٹ ہر سال غریب لوگوں کو (جہاں تک میرے علم میں ہے) حج پر بھیجتی ہے تو کیا اس طرح حج کا فرض ادا ہوجاتا ہے۔ یعنی اس طرح حج کرنا جائز ہے، اگر جائز ہے تو کیا میں حج کر سکتی ہُوں۔

کیونکہ میری خواہش ہے کہ میں جوانی میں حج کروں۔ میرے چھوٹے چھوٹے چار بچّے ہیں سب سے چھوٹا بچّہ تین چار سال کا ہے۔ فی الحال میرے شوہر کے اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم حج کرسکیں۔ مستقبل کے بارے میں مَیں کچھ نہیں کہہ سکتی، لیکن میری دلی خواہش ہے کہ مَیں جوانی میں حج کروں اور اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگ سکوں، آپ مجھے بتائیے کہ مَیں اس طرح حج کرسکتی ہوں اگر مَیں اور میرا شوہر حج کرلیں تو کیا ہمارا حج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہوگا یا نہیں۔ قرآن و سُنّت کی روشنی میں مجھے اس کا جواب ضرور دیجیے

۳- اس طرح سے کیا ہُوا حج صحیح ہے البتہ عورت کے ساتھ محرم کا ہونا شرط ہے۔ بغیر محرم کے

حج کے لیے بھی نکلنا صحیح نہیں۔

سوال : آبادی کے اضافے میں کمی کرنے کے لیے حکومت عوام کو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور اس کے طریقے اپنانے پر زور دیتی ہے۔ اس کے بارے میں قرآن و سُنّت کی روشنی میں بتائیں کہ یہ کہاں تک جائز ہے

میرا اپنا مسئلہ یہ ہے کہ میری جسمانی صحت بہت کمزور ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو اُس نے بتایا کہ میرے اندر خون کی شدید کمی ہے جس کے لیے ڈاکٹر نے مجھے دوائیں وغیرہ لکھ کر دی ہیں تاکہ خون کی کمی کو کنٹرول کیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ مَیں اَب مزید کوئی بچّہ پیدا نہ کروں۔ (میرے چار بچّے ہیں تین بیٹے اور ایک بیٹی) اور اگر میرے ہاں پانچواں بچہ پیدا ہوگیا، تو مجھے کینسر کا خطرہ ہے بہرحال مجھے سختی سے اس پر پابند رہنے کے لیے کہا ہے۔

اَب آپ مجھے قرآن و سُنّت کی رو سے یہ بتائیں کہ میں اس پر پابند رہنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کر سکتی ہُوں یا نہیں۔ ان تمام سوالات کے جوابات دے کر میری پریشانی دُور کیجیے۔ بے حد مشکور ہوں گی۔ آپ کے لیے دعاگو۔

جواب: اگر صحّت اتنی کمزور ہو کہ فی الوقت حمل کو برداشت کرنا دشوار ہے تو صحّت کی بحالی تک کوئی مانع حمل طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مستقل بندش کا طریقہ محض جسمانی کمزوری کی بنا پر اختیار کرنا ناجائز ہے۔ کینسر کے خطرہ کی بات محل نظر ہے کسی اور دیندار لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ کرا کر کینسر کے خطرہ کے بارے میں اُن کی رائے لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

تبصرہ

نام کتاب : تقریر سیرت (کامل)
مصنف : سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ دہلوی
ناشر : ادارہ بیان القرآن ۳۶/۴ سی میسن روڈ لاہور۔
قیمت : -/۹۰

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ صاحب دہلوی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اپنی علمی و دینی مذہبی و سیاسی خدمات کے حوالے سے مشاہیر علماء ہند کی صفِ اوّل میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں اور خوبیوں سے نوازا تھا وہیں تحریر و تقریر میں بھی ملکہ عطا فرمایا تھا۔

مولانا محمدؐ منظور نعمانی مدظلہ العالی رقمطراز ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے مولانا کو تقریر و بیان کا بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ دِلّی کی ٹکسالی زبان بولتے تھے۔ تقریر میں دریا کی سی روانی ہوتی تھی"۔

زیرِ نظر کتاب "تقریر سیرت کامل" مولانا موصوف کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ کے موضوع پر کی ہُوئی دو تقریروں کا مجمُوعہ ہے، یہ ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کے مختلف گوشوں پر انتہائی دل نشین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، صحابۂ کرام و بزرگانِ دین کے واقعات، نامور شعراء کے کلام اور ادباء کی تمثیلات سے بھرپُور استدلال کیا گیا ہے، اس میں ملک وملّت کے افراد کو جھنجوڑا گیا ہے اور اس پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مبارکہ کو اپنائیں اور غیر اقوام کے طرزِ عمل اور اُن کے بود و باش سے مرعوب نہ ہوں، ادارہ بیان القرآن کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس کتاب کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اُن کی اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔

۸۶ء

تعمیر مسجد شیخ الہند

محترم المقام سلام مسنون

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے۔

عالمی شہرت یافتہ قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور کے محلہ ابوالمعالی میں اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی اہلیہ کے زیورات فروخت کرکے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی تھی جو مسجد شیخ الہند کے نام سے مشہور ہے، اب وہ مسجد بوسیدہ ہو چکی ہے، چھت اور دیواریں خراب ہو چکی ہیں، اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے چھوٹی بھی پڑ گئی ہے۔

چنانچہ اس کی از سر نو تعمیر و توسیع اور تحفیظ کا ایک جامع پروگرام مرتب کر لیا گیا ہے جس کا تخمینہ مصارف تقریباً چار لاکھ روپیہ ہے۔ لہذا تمام برادران اسلام سے اپیل ہے کہ اس مسجد کی تعمیر و توسیع میں حصہ لیں جو ان کی طرف سے صدقہ جاریہ میں شمار ہوگا۔

پتہ برائے پاکستان
مولانا محمد نعیم صاحب
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار، لاہور

والسلام
اسعد عثمانی
محلہ ابوالمعالی دیوبند ۲۴۷۵۵۴

اعلان

۱۶؍ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ ۹؍ مئی ۱۹۹۳ء بروز اتوار بعد نمازِ عشاء جامعہ مدنیہ میں ایک بابرکت مجلس منعقد ہو رہی ہے صدارت حضرت مولانا **خان مُحمّد** صاحب دامت برکاتہم فرمائیں گے۔ حضرت مولانا قاری **شریف احمد** صاحب دامت برکاتہم (سٹی اسٹیشن کراچی) خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا السیّد حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز مہمانِ خصوصی ہوں گے۔ اس جلسہ میں جامعہ سے حفظِ قرآنِ پاک کی تکمیل کرنے والے طلبہ میں انعامات اور اسناد تقسیم ہونگی۔ انشاءاللہ، تمام حضرات سے اس مُبارک مجلس میں شرکت کی پُر زور اپیل ہے

○

منجانب

احقر رشید میاں مہتمم جامعہ مدنیہ

احکام عید الاضحیٰ

① بقر عید کی نماز بھی مثل نماز عید الفطر کے واجب ہے اور اس نماز کی ترکیب بھی وہی ہے جو نمازِ عید الفطر کی ہے یعنی تکبیرِ اولیٰ و ثناء کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے تین بار رفع یدین کریں یعنی کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیے جائیں گے، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر امام فاتحہ و سُورۃ پڑھے، مقتدی خاموش رہیں، دوسری رکعت میں فاتحہ و سُورۃ کے بعد رفع یدین کے ساتھ تین بار تکبیر کہیں اور ہر بار ہاتھ چھوڑتے جائیں، چوتھی تکبیر پر رکوع کریں، غرض یہ چھ زائد تکبیریں اس طرح کہی جائیں گی کہ پہلی رکعت میں سُورۃ فاتحہ سے پہلے اور بعد والی رکعت میں قرأت کے بعد۔ اس کی ترکیب یاد رکھنے کے لیے اتنا جملہ کافی ہے کہ "پہلی میں پہلے، بعد والی میں بعد میں" نمازِ عیدین کا وقت آفتاب کے بلند ہونے کے بعد سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے، عید قربان کا جلد پڑھنا مستحب ہے، تاکہ اس کے بعد دُوسری عبادت یعنی قربانی کرنے میں مصروف ہو سکیں، نماز کے بعد امام خطبہ پڑھتا ہے جس میں قربانی اور تکبیراتِ تشریق کے احکام بتلائے جاتے ہیں، اس کا سُننا ضروری ہے، اس نماز کے لیے بھی باہر عید گاہ میں جانا سُنّت ہے، راستہ میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتا رہے اور دوسرے راستہ سے واپس ہو، تاکہ دونوں راستے قیامت کے دن گواہی دیں۔

② بقر عید کی نماز سے پہلے کچھ کھانا اچھا نہیں، اگرچہ حرام نہیں، بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد اپنی قربانی کے گوشت میں سے کھائے۔

③ تکبیر تشریق ایک دفعہ ہر نماز کے بعد مرد کے لیے جہراً کہنی ضروری ہے، امام و مقتدی اور منفرد سب ایک بار اس طرح تکبیر کہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ

اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔

عورتیں یہ تکبیر آہستہ آہستہ کہیں، یہ تکبیر نویں ذی الحجہ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک کہیں جائیں گی۔

قُربانی کے احکام

④ ہر مسلمان پر جو غلام نہ ہو اور مُسافر نہ ہو اور وہ ضروریات زندگی کے علاوہ مقدارِ نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے فالتو سامان کا مالک ہو تو قربانی کرنا واجب ہے، قربانی میں بکرا یا بھیڑ یا دُنبہ یا ساتواں حصّہ اُونٹ، گائے، بیل، بھینس کا ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتا ہے، جن جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں وہ سات سے کم تعداد کے لیے بھی جائز ہیں۔ بکرا ایک سال کا ہونا چاہیے اور بھیڑ، دُنبہ اگر موٹا ہو اور چھ ماہ سے زائد کا ہو تو ہو سکتا ہے، اُونٹ پانچ سال کا ہونا چاہیے، باقی جانور دو سال کے کافی ہیں، ان جانوروں میں مرد و عورت سَب ہی کی طرف سے نر و مادہ دونوں کی قربانی جائز ہے۔

⑤ قربانی کا گوشت وزن سے تقسیم کیا جائے، اندازہ سے تقسیم نہ کریں، البتّہ اگر کسی طرف کلّہ، پائے، کھال لگا دیے جائیں تو اندازے سے بھی تقسیم کرنا دُرست ہے۔

⑥ شہر والے نمازِ عید کے بعد قربانی کریں، اور اگر کسی عذر سے (بارش کی وجہ سے) اس دن نماز ادا نہ ہُوئی تو جس وقت نماز کا وقت گزر جائے اس وقت قربانی کرنا دُرست ہو گی یعنی زوال کے بعد قربانی کریں اور دوسرے تیسرے دن نماز سے پہلے بھی قربانی دُرست ہے۔ یعنی اگر نمازِ بقر عید کسی عذر سے قضاء ہو گئی تو اگلے دن نماز سے پہلے بھی قربانی جائز ہے۔ اسی طرح بارہویں تاریخ کو بھی، اور گاؤں والوں کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ اُنہیں دسویں تاریخ کی صُبح صادق ہونے کے بعد بھی قربانی جائز ہے۔

⑦ قربانی کی تین تاریخیں ہیں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں، مگر پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے اور پھر دوسرے دن اور تیسرے دن غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی ہو سکتی ہے۔

(۸) رات کو قربانی کرنا جائز ہے بہتر نہیں۔

(۹) اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا بہتر ہے، اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرانے کے وقت خود وہاں کھڑا ہو جانا بہتر ہے۔

(۱۰) قربانی کے وقت کوئی نیّت زبان سے پڑھنی ضروری نہیں، اگر صرف دل میں خیال کر لیا کہ مَیں قربانی کرتا ہُوں اور زبان سے کچھ نہیں کہا صرف بسم اللہِ اللہُ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا تب بھی قربانی دُرست ہے، لیکن اگر حسبِ ذیل دُعا پڑھ لیں تو بہتر ہے۔

(۱۱) جب قربانی کو قبلہ رُخ لٹا دیں تو یہ دُعاء پڑھیں۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۰ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۰ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۰ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرْ کہہ کر ذبح کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

(۱۲) بہتر یہ ہے کہ قربانی کا گوشت ایک تہائی غُرباء و مساکین کو صدقہ کر دیں، ایک تہائی اپنے دوستوں کو دیں اور ایک تہائی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ لیں، لیکن جس شخص کا کنبہ بہت ہو یا اور کوئی ضرورت ہو تو تمام گوشت خود خرچ کر سکتا ہے، البتّہ فروخت کرنا منع ہے۔

(۱۳) جس شخص کے ذمّہ قربانی واجب ہے، اگر قربانی کے دن گزر جائیں اور وہ قربانی نہ کرے تو اُس کے ذمّہ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۴) جس شخص کے ذمّہ قربانی واجب نہ تھی، مگر اُس نے قربانی کی نیّت سے کوئی جانور قربانی کا خریدا تو اُس کے ذمّہ اُس کا قربان کرنا واجب ہو گیا، اُس کو فروخت نہیں کر سکتا، اگر قربانی کے دن گزر گئے اور اُس نے جانور کو ذبح نہیں کیا تو وہ زندہ کو اللہ کے واسطے محتاجوں کو دے دینا چاہیے، غنی اور نذر والے کا بھی یہی حُکم ہے۔

(۱۵) جس جانور کے سینگ پیدائشی نہ ہوں اُس کی قربانی دُرست ہے، اگر سینگ بیچ میں سے

ٹوٹ گیا ہو تب بھی قربانی دُرست ہے، اگر جڑ سے اُکھڑ گیا ہو تو درست نہیں اور نہ ایسے لنگڑے جانور کی قربانی دُرست ہے جو مذبح (ذبح کرنے کی جگہ) تک نہ جا سکے اور نہ ایسے جانور کی جس کی بیماری ظاہر ہو، اور نہ ایسے جانور کی جس کا تہائی کان کٹا ہوا ہو یا تہائی سے زیادہ دُم کٹی ہوئی ہو اور نہ اُس جانور کی جس کے دانت نہ ہوں، البتّہ اگر تھوڑے سے گر گئے ہوں زیادہ باقی رہ گئے ہوں تو جائز ہے۔

⑯ چرمِ قربانی خود اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں، مثلاً ڈول، جائے نماز وغیرہ بنا سکتے ہیں، مگر فروخت نہ کرے، اگر فروخت کر لیا تو اُس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

⑰ چرمِ قربانی یا اُس کی قیمت کسی معاوضہ میں دینا مثلاً قصاب کو ذبح کی اُجرت میں یا امام و مؤذّن کو اُس کی امامت و اذان کی وجہ سے دینا دُرست نہیں، اور طالبِ علمِ دین اس کے بہترین مصرف ہیں کہ اس میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ کا اور اشاعتِ علمِ دین کا، کیونکہ حدیث شریف میں اس جیسے مواقع کے لیے ارشاد ہے۔ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ اِثْنَتَانِ۔ اسی طرح طلبہ پر خرچ کرنے میں صدقہ کا ثواب بھی ہوگا اور اشاعتِ علمِ دین کا بھی، نیز طالبانِ علمِ دین کی مدارات اور اُن کے ساتھ ہر قسم کا حُسنِ سلوک کرنے کے بارے میں جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتاکید حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَّ اِنَّ رِجَالًا يَّاْتُوْنَكُمْ مِّنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رض روایت کرتے ہیں کہ جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ رض کو خطاب کر کے فرمایا... کہ تمام آدمی تمہارے تابع ہیں اور اطرافِ عالَم سے تمہارے پاس بہت سے آدمی علمِ دین سیکھنے اور دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔ سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو میں تم کو وصیّت کرتا ہوں کہ اِن کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔

◆